

ماہنامہ محاش بنارس

مدیر
مولانا عبدالوہاب حجازی

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

معاون مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی
مولانا عبدالمتین مدنی

اس شمارہ میں	عدد مسلسل: ۳۱۹ جلد: ۲۸ ، شمارہ: ۴
۱- درس قرآن عبداللہ سعود بن عبدالوحید	ربیع الآخر ۱۴۳۱ھ
۲- درس حدیث مولانا عبدالسلام مدنی	اپریل ۲۰۱۰ء
۳- افتتاحیہ مدیر	بدل اشتراک
۴- ایمان و عمل سے معمور پاکیزہ زندگی شیخ محمد بن عبداللہ السبیل	♦ ہندوستان: 150 روپے
۵- اسلام کا امتیاز- تیسیر و تخفیف مولانا عبدالمتین مدنی	♦ بیرون ممالک: 40 ڈالر
۶- اسلام اور مشرقی مذاہب کے درمیان.. عبداللہ سعود بن عبدالوحید	♦ فی شمارہ: 15 روپے
۷- فرد و معاشرے کی اصلاح میں عبادت.. حماد عبدالغفار سلفی	مراسلت کا پتہ
۸- جھوٹ کی مضرتیں عبدالسمیع محمد ہارون سلفی	دار التالیف والترجمہ
۹- مولانا ابوالکلام آزاد کی تصانیف... ڈاکٹر رشیدہ خاتون	بی ۱۸/۱ جی، ریوڑی تالاب
۱۰- شہادت حسینؑ ایک تحقیقی جائزہ عبدالغفار سلفی	وارانسی - ۲۲۱۰۱۰
۱۱- سرزمینِ دوآبہ میں وہابی تحریک..... صدیق احمد نفیس احمد	Darut Taleef Wat Tarjama
۱۲- تعداد از دواج اور اسلام اسامہ احمد صغیر احمد	B.18/1-G, Reori Talab,
۱۳- جامعہ سلفیہ بنارس میں حدیث و علوم حدیث..... عبداللہ نفیس	Varanasi - 221010
۱۴- لجنۃ الثقافتہ کی سرگرمیاں ظہیر الرحمن سلفی	
۱۵- عالم اسلام سخی مبارکپوری	
۱۶- غزل مولانا نور الہدی سلفی	
۱۷- باب الفتاوی	

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

عالم برزخ

عبداللہ سعود بن عبد الوحید

﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ ، لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ، فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ﴾
(المؤمنون: ۹۹-۱۰۱)

یہاں تک کہ جب ان میں کسی کو موت آنے لگتی ہے تو کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار مجھے لوٹا دے تاکہ میں اپنی چھوڑی ہوئی (دنیا میں) نیک کام کر لوں، ہرگز ایسا نہیں ہوگا، یہ تو صرف ایک بات ہے جس کو وہ کہتا ہے، ان کے پیچھے تو اب (عالم) برزخ ہے، یہاں تک کہ وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے، پس جب صور پھونک دیا جائے گا اس دن نہ تو آپس کے رشتے ہی رہیں گے اور نہ آپس میں کوئی ایک دوسرے کو پوچھے گا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے اعمال کے بدلہ اخروی زندگی میں جنت و جہنم کا مختلف پیرایوں میں تذکرہ کیا ہے، انسان دنیا میں جو کچھ کرتا ہے، جیسی زندگی گزارتا ہے اس کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا، دنیا کی ہماہمی اور روزمرہ کی مشغولیات کی وجہ سے انسان دوسری وابدی زندگی کے بارے میں غور نہیں کرتا اور نہ ہی اس کی حقانیت پر یقین کرتا ہے۔

جو لوگ اللہ اور رسول پر ایمان نہیں رکھتے وہ تو اور زیادہ دور ہیں اور سزا و جزا کے تصور سے کورے نظر آتے ہیں۔

قرآن مجید اللہ کا کلام ہے، اللہ ہی انسان کا اور پوری دنیا کا خالق ہے، اسی نے دوسری دنیا بھی بنائی ہے، جہاں انسان کو جانا ہے اور اپنے کئے کے مطابق وہاں اس کو دنیا ملے گی، ایک کافر انسان یا ایک ایسا انسان جس نے دنیا میں نیک کام نہیں کیا اور اللہ کے بتائے ہوئے طریقہ پر زندگی نہیں گذاری، اپنی موت کے وقت اس کو احساس ہونے لگتا ہے کہ میرا انجام کیا ہوگا، اور اس کے آثار بھی نظر آنے لگتے ہیں، اللہ نے اس آیت میں بتایا کہ ایسا انسان اپنے رب کو پہچان کر کہتا ہے کہ پروردگار تھوڑی مہلت مل جاتی تو بقیہ زندگی میں نیک کام کر لیتا، اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ یہ تو صرف ایک بات ہی ہے، اس کو مہلت نہیں ملے گی، اب موت کے بعد واپسی نہیں ہے، اب تو دنیا اور دوسری زندگی کے درمیان عالم برزخ کا مزا ملے گا، ہاں جب صور پھونکا جائے گا، اور دوسری دنیا کی ابتدا ہوگی اور تمام لوگ اٹھائے جائیں گے، اس دن نہ حسب و نسب کام آئے گا، اور نہ ہی کوئی ایک دوسرے کو پوچھے گا، حساب و کتاب ہونے تک سب بدحواس ہوں گے۔

ان آیات میں انسان کے اس دنیا سے رخصت اور دوسری دنیا میں پہنچنے تک کا ذکر ہے، ان تمام باتوں کی تفصیل قرآن میں اور احادیث میں موجود ہے، مگر انسان اس سے غافل ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک عمل کی توفیق بخشے اور ہمارا خاتمہ ایمان پر کرے، آمین۔

اللہ تعالیٰ سے لقاء کی چاہت

تحریر: مولانا عبدالسلام مدنی / استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

عن عبادة بن الصامت، قال: قال رسول الله ﷺ: من أحب لقاء الله، أحب الله لقاءه، ومن كره لقاء الله، كره الله لقاءه. فقالت عائشة، أو بعض أزواجه: إننا لنكره الموت. قال: ليس ذلك، ولكن المؤمن إذا حضره الموت بشر برضوان الله وكرامته، فليس شيء أحب إليه مما أمامه، فأحب لقاء الله، وأحب الله لقاءه، وإن الكافر إذا حضر بشر بعذاب الله وعقوبته، فليس شيء أكره إليه مما أمامه، فكره لقاء الله، وكره الله لقاءه. متفق عليه. وفي رواية عائشة: والموت قبل لقاء الله. (مشكاة ج ۱، ص ۱۳۹) قال صاحب المراجعة: هذه رواية عائشة عند مسلم وحده (مرعاة ج ۵، ص ۲۹۲)

ترجمہ: حضرت عبادة بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو فرد بشر اللہ تعالیٰ سے لقاء کی آرزو و تمنا رکھتا ہے اللہ پاک اس کی ملاقات کو پسند فرماتا ہے، اور جس کو رب کی لقاء ناگوار ہوتی ہے اللہ پاک اس کی ملاقات نا پسند فرماتا ہے۔ حضرت عائشہؓ یا آپؐ کی بعض بیویوں نے ذکر کیا کہ ہم سب موت کو نا پسند کرتے ہیں (تو گویا لقاء رب کی چاہت نہیں ہوئی) آپؐ نے ارشاد فرمایا: ایسی بات نہیں ہے (کہ موت کی ناگواری لقاء رب کی ناگواری ہے) بلکہ جب مومن قریب مرگ ہوتا ہے تو اس کو رضاء الہی اور انعام و اکرام کی بشارتیں سنائی جاتی ہیں، تو ایسے عالم میں اسے آگے آنے والی چیزوں سے زیادہ کوئی شے محبوب نہیں ہوتی ہے، تو اللہ سے ملنا پسند کرتا ہے، اور اللہ بھی اس کی لقاء پسند فرماتا ہے۔

اور کافر جب احتضار (جاکنی) میں ہوتا ہے تو اسے عذاب الہی اور اس کی سزا کی خبر دی جاتی ہے، تو اس کو آگے پیش آنے والے امور سے زیادہ کوئی چیز مبغوض اور ناگوار نہیں ہوتی ہے، اس لئے اللہ سے ملنا نہ پسند کرتا ہے، اور اللہ بھی اس کی ملاقات نا پسند فرماتا ہے۔ (بخاری و مسلم) اور حضرت عائشہؓ کی روایت میں ”إننا لنكره الموت“ کے بعد اتنا اضافہ ہے: والموت قبل لقاء الله. یعنی ہم سب موت کو نا پسند کرتے ہیں، اور موت لقاء رب سے قبل ہے۔ (یعنی موت سے گذر کر ہی لقاء رب حاصل ہوگی) (مسلم شریف) **تشریح:** حدیث پاک سے چند مسائل ثابت ہوتے ہیں: (۱) مومن اور کافر ہر ایک کو احتضار اور موت کے مراحل سے گذرنا ہے۔ (۲) احتضار کے عالم میں مومن کو بشارتیں سنائی جاتی ہیں، اور کافر کو وعیدیں۔ (۳) مومن بشارتوں کی وجہ سے لقاء رب کا متمنی ہوتا ہے، اور کافر لقاء باری تعالیٰ کو نا پسند کرتا ہے۔ (۴) اللہ پاک مومن کی لقاء پسند فرماتا ہے، اور کافر کی ملاقات نا پسند کرتا ہے۔ رب العالمین! ہم سب کو احتضار کے وقت اپنے دیدار اور لقاء کا متمنی بنا، اور خاتمہ بالخیر نصیب فرما، آمین۔

معاشرہ کی پاکیزگی کے لئے عورتوں سے متعلق کچھ اسلامی آداب

بڑے بوڑھوں میں یہ شکوہ عام ہے خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم کی نئی نسلیں ہماری پرانی تہذیب سے ہاتھ جھاڑ رہی ہیں، اور ہمارا معاشرہ نت نئے مسائل و مشکلات سے دوچار ہوتا جا رہا ہے، جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نئی نسل کی لڑکیاں، پردہ، چادر، دوپٹہ حتیٰ کہ ساتر پیراہن سے بھی بے پروا ہو رہی ہیں، اس کا سیدھا معنی یہ ہے کہ اپنی اصل سے بیگانہ ہو رہی ہیں، یہ ان کے حقیقی رتبہ اور عزت و وقار کے خلاف اور نتیجہً تباہ کن ہے، ساتھ ہی معاشرہ کی آلودگی کا بڑا ذریعہ اور اس کی پاکیزگی کو ختم کرنے والا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اسکے لئے نہایت ٹھوس اور سنہرے آداب بتائے ہیں جن کو اپنا کر عورتیں نہ صرف اپنے مقام و مرتبہ کی حفاظت کر سکتی ہیں بلکہ معاشرہ کی پاکیزگی کو چار چاند لگا سکتی ہیں، ذیل میں ہم چند اہم آداب و تدابیر کا تذکرہ کر رہے ہیں:

(۱) عورت کسی بھی ایسے مرد کے ساتھ تنہائی نہ اختیار کرے جس سے نکاح حلال ہو خواہ وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، اس میں چچا یا ماموں کے لڑکے بھی داخل ہیں، رسول اللہ ﷺ نے اس سے متعدد احادیث میں منع فرمایا ہے، اس لئے کہ شیطان اس سے فائدہ اٹھاتا ہے اور گناہوں کو آراستہ کرتا ہے، رشتہ ناطہ یا تعلیم یافتہ ہونے کا حوالہ دینا اس سلسلہ میں درست نہیں، اس لئے کہ نفس اور اس کی کمزوری میں سارے فرق ختم ہو جاتے ہیں، خلوت سے ممانعت کے لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کرام کو خطاب کیا ہے، حالانکہ وہ اللہ سے نہایت ڈرنے والے اور پاکیزہ صفات لوگ تھے تو آج کے تعلیم یافتہ لوگوں کو خلوت کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے۔

(۲) عورت بغیر شوہر یا کسی محرم کے سفر پر نہ نکلے خواہ سفر مختصر ہو یا طویل، اس لئے کہ ایسا سفر گناہوں میں واقع ہونے کا سبب بن سکتا ہے، اور عورت کے لئے بڑی مشکلات کا ذریعہ بھی۔

(۳) مردوں کے ساتھ گھلنے ملنے سے عورت ہمیشہ پرہیز کرے، اسلام میں اس ادب کی پاسداری کے لئے عورتوں پر جمعہ اور نماز باجماعت فرض نہیں کی گئی، البتہ اگر مسجد میں وہ جائے تو مردوں کے پیچھے عورتوں کی الگ صف میں کھڑی ہو، ہاں اگر سخت حاجت اور اضطرار ہو کہ گھر سے نکلے بغیر چارہ نہیں، جس میں اختلاط مرد و زن کی صورت پیش آئے تو ایسی صورت میں بھی رفتار، گفتار اور لباس تمام امور میں اسلامی تعلیمات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

(۴) عورت اپنی زیب و زینت چھپانے کی پوری کوشش کرے، عورتوں کے آداب کے تعلق سے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ (النور: ۳۱) مسلمان عورتوں سے کہو وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں، سوائے اس کے جو ظاہر ہے۔

(۵) عورت اپنا لباس شریعت کے مطابق رکھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾ (النور: ۳۱) اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رہیں۔ اس آیت میں حکم ہے کہ سر کا دوپٹہ گردن اور سینہ کو چھپانے کے لئے کشادہ

کر کے اوڑھنا چاہئے، ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّزَوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ (الاحزاب: ۵۹)

اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحب زادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں ڈال لیا کریں، اس سے بہت جلد ان کی پہچان ہو جایا کرے گی، پھر نہ ستائی جائیں گی، اور اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

ساتھ ہی لباس میں یہ بھی ضروری ہے کہ ڈھیلا ڈھالا ہو، نہایت تنگ اور باریک نہ ہو کہ اعضاء نمایاں ہوں، بعض صحیح حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے ایسی عورتوں کو ملعون یعنی اللہ کی رحمت سے محروم قرار دیا ہے، جو برائے نام کپڑا پہنے ہوئے عریاں جیسی ہوتی ہیں، اور آپ ﷺ نے عورت کو مرد جیسے لباس پہننے کی بھی ممانعت کی ہے، نیز اگر گھر سے نکلے تو کپڑے معطر کر کے نہ نکلے۔

(۶) عورت رفتار و گفتار میں قرآن مجید کے درج ذیل آداب کی رعایت کرے: ﴿وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ﴾ (النور: ۳۱) اور اس طرح زور زور سے پاؤں مار کر نہ چلیں کہ ان کی پوشیدہ زینت معلوم ہو جائے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا﴾ (الاحزاب: ۳۲) اے نبی کی بیویو تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم پر ہیزگاری اختیار کرو تو نرم لہجے سے بات نہ کرو کہ جس کے دل میں روگ ہو وہ کوئی برا خیال کرے، اور ہاں قاعدے کے مطابق کلام کرو۔

عورتیں اگر مذکورہ آداب اسلامی کی رعایت کریں تو اس میں ان کی عزت و وقار اور معاشرہ کی پاکیزگی کی واضح ضمانت موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلم خواتین بلکہ ساری مشرقی خواتین کو اس کی ہمت اور توفیق عطا کرے، آمین۔

☆☆☆

(بقیہ صفحہ ۷۷ کا)

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أَنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (النحل: ۹۷)

جو شخص نیک عمل کرے گا، مرد ہو یا عورت، اور وہ مؤمن بھی ہوگا تو ہم اس کو دنیا میں پاک زندگی سے زندہ رکھیں گے اور آخرت میں ان کے اعمال کا نہایت اچھا بدلہ دیں گے۔

اللہ کے بندو! دنیاوی زندگی کی زیب و آرائش سے دھوکہ نہ دکھاؤ، اور کتاب اللہ کی بکثرت تلاوت کر کے، اس کے معانی و مفاہیم کو سمجھ کر، اس پر عمل کر کے، بکثرت تسبیح و تہلیل کر کے، نبی کریم ﷺ کی سنت و سیرت کو بڑھ کر اور اس پر عمل کر کے نیز آنے والے دن آخرت کے لئے تیاری کر کے اپنے ایمان کو مکمل کر لو، رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ”الْكَلْبُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْعَاجِزُ مَنْ اتَّبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهُ وَتَمَنَّى عَلَى اللَّهِ الْأَمَانِي“^۱

عقل مند و دانا وہ شخص ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور آخرت کے لئے عمل کرے، اور عاجز اور بے وقوف وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے لگا دے اور اللہ سے امیدیں وابستہ رکھے۔ ☆

^۱ مسند احمد ۱۲۴/۲ (۱۷۱۳۳) و جامع ترمذی، ابواب القیامہ، باب ۲۵ (۲۳۵۹)

ایمان و عمل سے معمور پاکیزہ زندگی

شیخ محمد بن عبد اللہ السبیل
امام و خطیب مسجد حرام مکہ مکرمہ

تمام تعریف اللہ کے لئے ہے جو سعادت کی راہ دکھاتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس پر احسان فرما کر نیکو کاروں اور اپنے خاص بندوں میں شامل کرتا ہے، میں رب سبحانہ کے فضل و انعام پر اس کی حمد و ثنا اور شکر گزاری کرتا ہوں اور شہادت دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اے اللہ! تو اپنے بندہ و رسول محمد ﷺ پر اور آپ کے آل و اصحاب پر درود و سلام نازل فرما۔

مسلمانو! اللہ سے کما حقہ ڈرو اور اس کی طاعت و بندگی اور رضا و خوشنودی کے لئے عمل کرو، کیونکہ کامل سعادت در حقیقت دنیا و آخرت کی سعادت ہے اور اہل عقل و بصیرت اسی کے لئے کوشش بھی کرتے ہیں۔ اس سعادت کے حصول کا سب سے اہم اور بڑا ذریعہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے احکامات کی تعمیل کی جائے، رسول امین ﷺ کی سنت کی پیروی کی جائے اور آپ کے پاکباز اصحاب اور سلف صالحین کے آداب و اخلاق اپنائے جائیں، کیونکہ ان اصحاب کرام نے کتاب اللہ اور سنت رسول کو اپنا امام و پیشوا بنایا اور اسی کی شاہراہ پر چلے، ان پر کبھی بہیمانہ خواہشات اور نفسانی جذبات غالب نہیں ہوئے، اور انہیں لوگوں کے بارے میں رب العالمین کا یہ ارشاد ہے:

﴿وَعِبَادَ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا. وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا. وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا. إِنَّهَا سَاءَ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا﴾ (الفرقان: ۶۳-۶۶)

اللہ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے جاہلانہ گفتگو کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے ہیں، اور وہ جو اپنے پروردگار کے آگے سجدہ کر کے اور کھڑے رہ کر راتیں بسر کرتے ہیں، اور وہ یہ دعا مانگتے ہیں کہ اے پروردگار! دوزخ کے عذاب کو ہم سے دور رکھنا، کہ اس کا عذاب بڑی تکلیف کی چیز ہے اور دوزخ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت بری جگہ ہے۔

ان آیات کے اندر جن مومنوں کا تذکرہ کیا گیا ہے درحقیقت انہی بندوں نے دنیا کو جانا اور اس حقیقت کو سمجھا کہ دنیا تو چند روزہ سامان ہے جس سے اچھے برے فائدہ اٹھا رہے ہیں، حقیقی زندگی آخرت کی زندگی ہے جو اس کے بعد آئے گی، اور اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد انہوں نے دنیا سے صرف اسی قدر لیا جس سے زندگی کٹ جائے اور جسم و جان کی حفاظت ہو سکے، جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ”حسب آدمی لقیمة یقمن صلبہ“! انسان کے لئے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی پیٹھ سیدھی رکھ سکیں۔

دنیا سے بے رغبتی و لاتعلقی راحت قلب اور اطمینان کامل کا ایک اہم ذریعہ اور اللہ کی طرف رغبت و توجہ، اس کے ذکر سے انیسیت و محبت اور اس کی اطاعت و بندگی سے محفوظ ہونے کا بہت بڑا سبب ہے، ارشاد ربانی ہے: ﴿أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ (الرعد: ۲۸) سن لو کہ اللہ کے ذکر سے دل آرام پاتے ہیں۔

سکون قلب اور باسعادت زندگی ایسی نعمتیں ہیں کہ ہر شخص کو ان کی تلاش ہے، چنانچہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بکثرت مال و دولت اکٹھا کر لینے سے یہ چیز حاصل ہو سکتی ہے، اس لئے مال جمع کرنا ہی ان کا مقصد زندگی ہے، اگرچہ وہ اس سے فی الواقع لطف اندوز

۱۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمہ، باب الاقتصاد فی الاکل (۳۳۳۹) و جامع ترمذی، ابواب الزہد، باب ما جاء فی کراهیۃ کثرة الاکل (۲۳۸۰) و مسند احمد ۱۳۲/۴

نہیں ہو پاتے، اسی طرح کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ اطمینان و سعادت جسم کو آرام پہنچانے، کم کام کرنے اور ہمیشہ بیٹھے رہنے سے حاصل ہو سکتی ہے، جب کہ بعض دوسرے لوگ لذات و شہوات اور نفسانی خواہشات کے حصول میں یہ اطمینان و سعادت تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ چیزوں میں سے کوئی چیز بھی انسان کے لئے باعث سکون و اطمینان نہیں، نہ ہی ان سے زندگی کی وہ سعادت حاصل ہو سکتی ہے جس کی اسے تلاش ہے، کیونکہ دنیا کے اندر انسان کو جو کچھ بھی مل جائے، دنیا بہر حال دنیا ہے، آلام و مصائب اور رنج و محن کی جگہ ہے، زندگی مکرر کرنا اور حالات کو بگاڑنا اس کی فطرت ہے، ایک عقلمند کے لئے یہ کبھی خوشگوار ہو سکتی ہے نہ اسے راس آسکتی ہے۔

ابدی سعادت اور پاکیزہ زندگی درحقیقت اہل ایمان کو حاصل ہوتی ہے جو یہ جانتے ہیں کہ دنیا از اول تا آخر محض تھوڑی سی پونجی اور چند روزہ سامان ہے، جیسا کہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے: ﴿فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ﴾ (التوبہ: ۳۸) دنیاوی زندگی کے فائدے تو آخرت کے مقابل بہت ہی کم ہیں۔

اہل ایمان کو اگر دنیا کی نعمت حاصل ہوتی ہے تو بھی وہ دنیا کی طرف انہیں مائل نہیں کر پاتی، وہ کبھی بھی دنیا سے مطمئن اور اس کے مکر سے مامون نہیں ہوتے، بلکہ ہمہ وقت دنیا کی گردش سے ہوشیار رہتے ہیں، اور اگر سختی و پریشانی اور مشقت و تنگی ان پر آتی ہے تو افسردہ خاطر نہیں ہوتے، گلہ و شکوہ نہیں کرتے اور ان پریشانیوں کی وجہ سے ان کے عزم و ارادہ میں کوئی سستی نہیں آتی، بلکہ وہ اللہ سبحانہ کے اس فرمان کا نمونہ پیش کرتے ہیں:

﴿وَكَايْنٍ مِّنْ نَّبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ﴾ (آل عمران: ۱۴۶)

بہت سے نبی ہوئے ہیں جن کے ساتھ ہو کر اہل اللہ لڑے ہیں، تو جو مصیبتیں ان پر اللہ کی راہ میں واقع ہوئیں ان کے سبب انہوں نے نہ تو ہمت ہاری اور نہ ہزدلی کی اور نہ کمزور پڑے، اور اللہ صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اہل ایمان کو اللہ راہ میں جو مصیبتیں اور دشواریاں پیش آتی ہیں وہ ان پر صبر کرتے ہیں اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے، ان سے فوت ہو جانے والی دنیا کی آسائش و لذت انہیں کبیدہ خاطر نہیں کرتی، نہ ہی اس کے حصول سے انہیں خوشی ہوتی ہے، بلکہ کمال مسرت اور انتہائے شادمانہ اس سے حاصل ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں دینی عطیات یعنی علم نافع، عقل سلیم اور عمل صالح کی توفیق سے نوازا رہا ہے، جیسا کہ ارشاد الہی ہے: ﴿فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ﴾ (یونس: ۸۵) چاہئے کہ لوگ اسی سے خوش ہوں، یہ اس سے کہیں بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔ نیز فرمایا:

﴿يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (آل عمران: ۱۷۱)

وہ اللہ کے انعامات اور فضل سے خوش ہو رہے ہیں اور اس سے کہ اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

قرآن کریم نے اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ دنیا کے اندر پاکیزہ زندگی اور سعادت کا حصول اہل ایمان کے لئے خاص ہے، مزید برآں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے آخرت میں اجر عظیم اور دائمی نعمتوں کا ذخیرہ بھی تیار کر رکھا ہے، جس سے ان کی دنیاوی اور اخروی دونوں سعادتیں مکمل ہو جائیں گی، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(بقیہ صفحہ ۵ پر)

اسلام کا امتیاز - تیسیر و تخفیف

مولانا عبد المتین مدنی

اسلام کے محاسن اور اس کی نمایاں خوبیوں میں سے ایک اہم خوبی نرمی و سہولت اور تخفیف و رعایت ہے، اس امت کو جو شریعت دی گئی اس میں سابقہ شریعتوں کے مقابلہ میں یہ وصف بدرجہ اتم موجود ہے اور اس شریعت میں جو احکام مشروع کئے گئے ہیں ان میں حالات و ظروف اور اعذار کی رعایت کرتے ہوئے سہولت کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو اس بات کی بھی بشارت دے دی: ”لَا يَكْلِفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وَسْعَهَا“ (البقرہ: ۲۸۶) اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اور دوسری آیت کریمہ میں فرمایا ”لَا يَكْلِفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا أَتَاهَا“ (طلاق: ۷) اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں کرتا مگر اتنا ہی جتنی طاقت اسے دے رکھی ہے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات کریمہ میں یہ امتیاز جس سے ہر امت کو سرفراز کیا گیا، اللہ رب العزت نے فرمایا: ”هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مَلَّةً أَوْ بَيْعًا أَوْ إِكْرَهًا“ (الحج: ۷۸) اس نے تمہیں برگزیدہ بنایا ہے اور تم پر دین کے بارے میں کوئی تکلیف نہیں ڈالی، اپنے باپ ابراہیم کا دین قائم رکھو، اسی اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ دوسری آیت میں فرمایا: ”يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ“ (بقرہ: ۱۸۵) اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں ہے۔ اور ایک تیسری آیت میں فرمایا گیا: ”يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يَخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا“ (نساء: ۲۸) اللہ چاہتا ہے کہ تم سے تخفیف کر دے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے متعدد احادیث میں اس بات کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے، مسند امام احمد کی روایت ہے ”ان خير دينكم أيسره، ان خير دينكم أيسره، ان خير دينكم أيسره، ان خير دينكم أيسره“ تمہارے دین میں سب سے بہتر وہ ہے جو سب سے زیادہ آسان ہے، تمہارے دین میں سب سے بہتر وہ ہے جو سب سے زیادہ آسان ہے، تمہارے دین میں سب سے بہتر وہ ہے جو سب سے زیادہ آسان ہے، تمہارے دین میں سب سے بہتر وہ ہے جو سب سے زیادہ آسان ہے۔ دوسری حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”ان الله لم يبعثني معنتا ولا متعنتا ولكن بعثني معلما ميسرا“ اللہ نے مجھے سختی کرنے والا اور تکلیف دینے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ مجھے معلم اور آسانی کرنے والا بنا کر بھیجا۔ اور خود اللہ کے رسول ﷺ کا معمول تھا کہ جب دو کاموں میں کسی ایک کو کرنے کا اختیار دیا جاتا تو جو ان میں زیادہ آسان رہتا اس کا انتخاب کرتے بشرطیکہ وہ گناہ کا کام نہ ہوتا ”ما خير رسول الله ﷺ بين أمرين الا اختار أيسرهما ما لم يكن اثما“ (متفق علیہ) او رکتے ایسے امور تھے جن کے کرنے کو اللہ کے رسول نے اس ڈر سے لازم نہیں قرار دیا کہ میری امت کے لئے باعث مشقت بن جائے گا، اور امت کو بھی اس تیسیر کے اختیار کرنے کا حکم دیا ”يسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا“ (متفق علیہ) آسان کرو، سختی مت کرو اور بشارت دو، نفرت اور دوری پیدا مت کرو۔

عملاً بھی آپ نے صحابہ کو اس کی تعلیم دی، ایک اعرابی مسجد نبوی میں پیشاب کرنے لگے، صحابہ کرام نے روکنا چاہا آپ نے ان کو روکنے سے منع کر دیا، جب پیشاب سے فارغ ہو گئے تو آپ نے اس پر ایک ڈول پانی بہانے کا حکم دیا اور ان سے کہا کہ مسجد میں اس لئے نہیں بنائی جاتی بلکہ ان کو صاف و پاک رکھنا چاہئے، پھر آپ نے کہا ”إنما لم تبعثوا معسرين بل بعثتم ميسرين“ تم سختی

کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے بلکہ تم کو نرمی کرنے والا بنا کر بھیجا گیا۔ (بخاری)

دین میں سہولت کی ایک اور مثال ملاحظہ کریں۔ حضرت عمرو بن العاص غزوہ ذات السلاسل میں تھے، سرد ترین رات تھی، اور انہیں احتلام ہو گیا، فجر کی نماز کا موقع آیا تو ان کو قرآن کی یہ آیت یاد آگئی: ”وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا“ (النساء: ۲۹) اپنے آپ کو قتل مت کرو، اللہ تم پر مہربان ہے۔ تیمم کر کے فجر کی نماز ادا کر لی۔ مدینہ واپس آئے اللہ کے رسول کو یہ واقعہ بتلایا گیا، آپ نے کہا تم نے جنابت کی حالت میں فجر کی نماز ادا کر لی؟ انھوں نے کہا کہ مجھے اللہ کا قول یاد آیا کہ ”وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا“ تو میں نے تیمم کر کے نماز ادا کر لی۔ آپ یہ سن کر ہنس پڑے اور ان سے کچھ نہیں کہا۔ (مسند احمد، ابوداؤد)

اس کے برخلاف ایک سفر میں چند صحابہ کرام تھے ایک صحابی کے سر میں پتھر لگا اور وہ زخمی ہو گئے، اور ان کو اسی حالت میں احتلام بھی ہو گیا، انھوں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ کیا تم لوگ میرے لئے تیمم کرنے کی رخصت پاتے ہو انھوں نے کہا کہ تمہارے پاس پانی موجود ہے اس لئے تمہارے لئے یہ رخصت نہیں ہے، انھوں نے غسل کیا اور وفات پا گئے، صحابہ کرام مدینہ آئے اور اللہ کے رسول کو واقعہ کی اطلاع دی گئی، آپ سن کر ناراض ہوئے فرمایا ان لوگوں نے اسے قتل کر ڈالا، اللہ انہیں قتل کرے، جب لوگ مسائل جاننے نہیں تو پوچھنا چاہئے۔ (ابوداؤد)

اس وقت دشمنان اسلام یہ باور کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام سختی اور تشدد کا مذہب ہے، یہ مذہب ترقی و تقدم کے راستہ کو روکتا ہے اور اس مذہب کا ماننے والا دنیا کے شانہ بشانہ نہیں چل سکتا، اس طرح کی غلط فہمی مسلمانوں میں پیدا کر کے وہ ان کو اسلام سے دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ یہ مسلمانوں کو اسلام سے دور کرنے کی ایک بڑی سازش ہے۔

اسلام میں نرمی ہے، سہولت ہے اور آسانی ہے، اور اللہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے بندے اس کی دی ہوئی سہولتوں سے فیضیاب ہوں، إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ أَنْ تَوْتِيَ رَحْصَةً كَمَا يَكْرَهُ أَنْ تَوْتِيَ مَعْصِيَتَهُ “ (مسند احمد) اللہ پسند کرتا ہے کہ اس کے بندے اس کی رخصتوں سے فائدہ اٹھائیں، جس طرح کہ وہ ناپسند کرتا ہے کہ اس کے بندے اس کی معصیت کا کام کریں۔ اس لئے مسلمان جو ان کو اسلام کے دشمنوں کی اس چال سے ہوشیار رہنا چاہئے، اور اسلام کے احکام پر عمل کرنا چاہئے، اسی کے مطابق زندگی گزارنی چاہئے، اللہ اسلام پر عمل کرنے کے لئے ثواب سے انہیں نوازے گا، اور اس پر عمل کرنے کی حلاوت و چاشنی اور لذت و راحت سے عمل کرنے والا محفوظ بھی ہوگا اور اسے اللہ کی طرف سے مزید نیکیوں کی توفیق بھی ملے گی، ”وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ“ (عنکبوت: ۶۹)

اسلام کی دی گئی رعایتوں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے اور نہ اپنے آپ کو ان سے بالاتر سمجھنا چاہئے اور نرمی اور سہولت کے راستہ کو چھوڑ کر اپنے آپ کو ہرگز ہلاکت میں نہیں ڈالنا چاہئے۔ یہ اسلام کے مزاج کے خلاف اور ان کی خوبی سے اپنے آپ کو محروم رکھنے کے مترادف ہے۔ ”وَأَنْفَقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ، وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ“ (بقرہ: ۱۹۵) اللہ کے راستے میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں مت ڈالو اور احسان کرو اللہ احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

غیر مسلموں کو بھی اسلام کی اس خوبی سے روشناس کرانا چاہئے تاکہ اسلام کی حقیقت کو وہ سمجھ سکیں۔ ☆☆☆

اسلام اور مشرقی مذاہب کے درمیان مشترک اقدار اور تعاون کی راہیں

عبداللہ سعود بن عبدالوہید

دہلی میں ۲۰ و ۲۱ فروری ۲۰۱۰ء کو جامعہ ملیہ اسلامیہ کے انصاری آڈیٹوریم میں ”اسلام اور مشرقی مذاہب کے درمیان مکالمہ“ کے عنوان سے ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہوئی جس کا افتتاح ہندوستان کے نائب صدر جمہوریہ عالی جناب حامد انصاری صاحب نے فرمایا، اس کانفرنس کا اہتمام ملی گزٹ کے ایڈیٹر جناب ڈاکٹر ظفر الاسلام خاں نے کیا تھا، کانفرنس منظم اور کامیاب تھی، اس کانفرنس میں جامعہ سلفیہ کے ناظم اعلیٰ جناب مولانا عبداللہ سعود صاحب بحیثیت مقالہ نگار کے شریک ہوئے تھے، اور مقالات کے پہلے نشست میں آپ نے اپنا مندرجہ ذیل مقالہ پیش فرمایا تھا، یہ مقالہ سیمینار ہال کے استقبالیہ پر بھی مطبوعہ موجود تھا، جس کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔

اسلام کے خلاف غلط فہمیاں دور کرنے اور انسانوں کے درمیان میل محبت کو بڑھانے کے لئے اس طرح کے پروگرام موجودہ حالات میں بہت مفید ہیں، کانفرنس کے آرگنائزر ڈاکٹر ظفر الاسلام خاں مبارکباد کے مستحق ہیں۔

اسلام کا عرفی نام ”دین رحمت“ بھی ہے، اور یہ دین جس رسول پر اتارا گیا ہے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اسے ”رحمة للعالمین“ تمام دنیا والوں کے لئے رحمت کا لقب دیا ہے، اور قرآن مجید نے اپنے متکلم یعنی اللہ تعالیٰ کو بے شمار ناموں اور صفات کے ساتھ ”رحمن و رحیم“ کے نام اور صفت سے بھی متصف بتایا ہے، ”رحمن“ کے معنی ہیں رحمت سے بھرا ہوا اور ”رحیم“ کے معنی ہیں جو مخلوق پر عملاً رحمت کر رہا ہے: قرآن مجید میں ارشاد ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں فرماتا ہے: ”و رحمتی وسعت کل شیء“ (۷/۱۵۶) اور میری رحمت تمام چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں فرمایا: ”وما أرسلناك إلا رحمة للعالمین“ (۲۱/۱۰۷) (اے محمد ﷺ) میں نے آپ کو تمام دنیا والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے، خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے متعلق فرمایا: ”إنما أنا رحمة مهداة“ میں تحفہ رحمت ہوں، اور دوسروں کے متعلق فرمایا ہے: ”ارحموا من فی الأرض یرحمکم من فی السماء“ زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا، اس لئے امت مسلمہ بھی، ”امت رحمت“ ہے، اقوام عالم کے ساتھ اس کے تعامل سے یہ بات قطعاً ظاہر ہے، اسلام اسی ایک ”اللہ، رحمن و رحیم“ کی عبادت و بندگی کی دعوت دیتا ہے، اور انسان کو اپنی زندگی اسی کے فرمان کے مطابق گزارنے پر ابھارتا ہے، وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اس دنیا کا مالک ایک دن اسے ختم کر کے ایک دوسری دنیا بسائے گا جہاں انسانوں سے ان کے اعمال کا حساب کتاب لے کر انہیں جنت اور جہنم کی دائمی زندگی عطا کرے گا، اچھے اعمال والوں کے لئے جنت اور برے اعمال والوں کے لئے جہنم ٹھکانا ہوگا۔

اسلام دراصل دین توحید ہے یعنی ایک اللہ کو موجود مان کر اس کی ذات، اس کی بہترین صفات اور اس کے افعال پر ایمان لاکر تنہا اسی کی عبادت کرنا اور کسی کو اس کا ساجھے دار نہ ماننا، یہ توحید تمام آسمانی مذاہب کی اصل رہی ہے، تمام انبیاء و رسول ابراہیم، موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام کی دعوت دین یہی توحید تھی بعض بڑے مشرقی اور ہندوستانی مذاہب کی اصل میں بھی توحید کی جھلک ملتی ہے، اسلام

چونکہ ان مذاہب کی بنسبت جدید ہے، اس لئے سابقہ انبیاء کی توحید اس میں مکمل صاف اور نکھری ہوئی ہے اور پوری تفصیل کے ساتھ قرآن و سنت میں جلوہ گر ہے، تنہا ایک رحمن و رحیم اللہ کی عبادت کا اثر انسانی زندگی پر کس قدر خوش گوار ہوتا ہے اس کی تفصیل میں جانے کا موقع نہیں صرف ایک واقعہ سے اس کا اندازہ لگائیے کہ ”خانہ کعبہ“ میں تین سو ساٹھ بت نصب تھے، تمام عرب اس گھر کا طواف کرتے تھے، لیکن طواف کا یہ بے رحمانہ غلطیہ لاگو تھا کہ جو شخص اپنے کپڑے پہن کر طواف کرے وہ اسے دوبارہ استعمال نہیں کر سکتا، ورنہ خانہ کعبہ کے متولیوں کے لباس میں طواف کرے اور جو ایسا نہ کرے اسے ننگا طواف کرنا ہوگا، چنانچہ بہت سے مرد اور عورتیں مادرِ زاد عریاں ہو کر طواف کرنے پر مجبور تھے، لیکن جب اس گھر پر توحید کی عمل داری قائم ہوئی تو لوگ اس کی رحمت کے سایہ میں اس ذلت سے نجات پا گئے۔

ایک دوسرا پہلو فتح مکہ کا دیکھئے، صحن کعبہ میں مکہ کے وہ سارے سردار جمع ہیں جنہوں نے بے پناہ اذیت دے کر مسلمانوں کو گھر بار چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا، اور انہیں برباد کرنے کی کوئی ترکیب ضائع نہیں کی تھی، ایسوں کا صلہ قتل کے سوا دوسروں کی نظر میں اور کچھ نہیں، لیکن رسول رحمت نے انہیں کیسے خطاب کیا:

”اے قریش اللہ نے تمہارا جاہلانہ غرور اور باپ دادا پر فخر مٹا دیا، سارے انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے، پھر آپ ﷺ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی: ”یا ایہا الناس إنا خلقناکم من ذکر و أنثی و جعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا، إنا أکرکم عند اللہ أتقاکم“ یعنی اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور اس لئے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو، کنبے اور قبیلے بنا دیئے ہیں۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ تم سب آزاد ہو، آج تمہارا کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ (طبری)

فتح کے نشے میں سرشار عام انسانی روش خوں ریزی ہی ہوتی ہے، لیکن یہ طریقہ رحمۃ للعالمین کا ہے کہ فتح کا غلبہ پا کر بھی جانی دشمنوں کو اپنی شانِ رحمت سے معاف کر دیا۔

آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے، وہاں یہودی قبائل آباد تھے امن و امان کے لئے آپ نے ایک معاہدہ کیا جس میں قوم یہود کو جو درجہ عزت آپ نے دی وہ قابل دید ہے:

- ۱- بنو عوف کے یہودی مومنوں کے ساتھ ایک قوم ہیں۔
- ۲- اس معاہدے میں شریک اقوام مل کر کسی بھی جنگ کرنے والے کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کریں گی۔
- ۳- آپس میں خیر خواہی اور ہر طرح کی بھلائی کے تعلقات رکھیں گی گناہ کے معاملہ سے بچیں گی۔
- ۴- یہودیوں کے حلیفوں کے حقوق بھی ایسے ہی مانے جائیں گے۔
- ۵- مظلوم کی یقیناً مدد کی جائے گی۔ (سیرت ابن ہشام ۱/۱۷۸)

بعد میں یہود اس معاہدے پر ثابت نہیں رہے اور اپنے غدر و خیانت سے اسے توڑ ڈالا۔

رسول رحمت ﷺ کی خدمت میں نجران کے عیسائیوں کا وفد حاضر ہوا، تو آپ نے ان کے لئے ایک معاہدہ تحریر کر کے دیا جس میں تحریر تھا:

نجران کے لئے اللہ اور محمد نبی کی ذمہ داری ہے کہ ان کی جانوں، ان کے دین و مذہب، ان کی زمین اور ان کے مالوں کی حفاظت کی جائے گی، یہ ان کے موجود و غیر موجود قبائل اور ان کے اتباع سب کے لئے ہے، ان کی حالت اور حقوق نہیں بدلے جائیں گے، تھوڑا یا زیادہ جو کچھ ان کے قبضہ میں ہے اس میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے گی، پہلے کے شبہات اور قتل پر ان کی پکڑ نہ کی جائے گی، ان سے بیگار اور تجارتی ٹیکس نہ لیا جائے گا اور نہ فوج ان کی زمین کو روندے گی۔ (سیرت ابن ہشام ۱/۱۷۸)

کوئی فرد یا قوم اگر برا تعامل کرے تو اس کا ازالہ اسلام اس طرح سکھاتا ہے: ”ولا تستوی الحسنة ولا السيئة، ادفع بالتي هي أحسن فاذا الذي بينك وبينه عداوة كأنه ولي حميم“ (۳۴/۴۱) ”نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، برائی کو بھلائی سے دفع کرو، پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے، تمہارا دوست ہو جائے گا۔“

عدل و انصاف اور سچی گواہی کی تاکید اسلام اس طرح کرتا ہے: ”يا أيها الذين آمنوا كونوا قوامين بالقسط شهداء لله ولو على أنفسكم أو الوالدين والأقربين، إن يكن غنياً أو فقيراً فالله أولى بهما فلا تتبعوا الهوى أن تعدلوا، وإن تلووا أو تعرضوا فإن الله كان بما تعملون خبيراً“۔ (۴/۱۳۵) اے ایمان والو! عدل و انصاف کے علمبردار بن کر کھڑے ہو جاؤ اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے ہو جاؤ، گو وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو یا اپنے ماں باپ و رشتہ دار عزیزوں کے، وہ شخص اگر امیر ہو تو اور فقیر ہو تو دونوں کے ساتھ اللہ کو زیادہ تعلق ہے، اس لئے تم خواہش نفس کے پیچھے پڑ کر انصاف نہ چھوڑ دینا اور اگر تم نے کج بیانی یا پہلو تہی کی تو جان لو کہ جو کچھ تم کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

اسلام کسی انسانی جان کی قیمت کتنی بڑی قرار دیتا ہے اس کا اندازہ درج ذیل آیت سے کیجئے: ”من قتل نفسا بغير نفس أو فساد في الأرض فكأنما قتل الناس جميعاً، ومن أحياها فكأنما أحيا الناس جميعاً“۔ (۵/۳۲)

جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو، قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی ایک کی جان بچالے اس نے گویا تمام لوگوں کی جان بچالی۔

شراب نوشی اور زنا انسانی معاشرہ کی تباہی کے دو بڑے ذرائع ہیں اور ان سے روکنا معاشرہ کے لئے بڑی رحمت ہے، اسلام کا حکم ان کے بارے میں دیکھئے: ”لا تقربوا الزنى إنه كان فاحشة وساء سبيلاً“۔ (۱۷/۳۲) زنا کے قریب نہ جاؤ، یقیناً یہ بے حیائی اور بُرا راستہ ہے۔

”يا أيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون“۔ (۵/۹۰)

اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جو اور تھان اور فال نکالنے کے پانسے کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں،

ان سے بالکل الگ رہتا کہ تم فلاح یاب ہو۔

چوری بھی ایک بڑی سماجی بُرائی ہے، اس لعنت کے مقابل اسلامی سزا ایک رحمت ہے، فاطمہ نام کی ایک قریشی مخزومی عورت چوری کی عادی تھی، رسول رحمت ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا، آپ کے چہیتے اسامہ بن زیدؓ نے سفارش کی تو آپ نے فرمایا: لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها۔ الخ (کتب حدیث)

اگر میری بیٹی فاطمہ چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ ضرور کاٹتا، تم سے پہلے کی قومیں اس وجہ سے مٹا دی گئیں کہ اگر ان میں شریف اور طاقت ور چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور اگر کمزور چوری کرتا تو اس پر سزا لاگو کرتے تھے۔

اب ہم ہندو دھرم، بدھ دھرم، جین دھرم، سکھ مت اور زرتشت کی کچھ تعلیمات پیش کرتے ہیں جو اسلام کی بعض تعلیمات سے کچھ مشابہت رکھتی ہیں، یہ تعلیمات ان مذاہب کے قدیم مآخذ میں ہیں بعد کے تغیرات کا یہاں تذکرہ نہیں کیا جا رہا ہے۔

مشہور مسلم سیاح البیرونی مصنف ”کتاب الہند“ نے قدیم ہندو مآخذ جیسے گیتا، پانچولی وغیرہ کا براہ راست مطالعہ کر کے لکھا ہے کہ اللہ کی ذات و صفات کے متعلق ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ:

”وہ واحد ہے، ازلی ہے، جس کی نہ ابتداء ہے نہ انتہا، اپنے فعل میں مختار ہے، قادر ہے، حکیم ہے، زندہ ہے، زندہ رہنے والا ہے، صاحب تدبیر ہے، باقی رہنے والا ہے، اپنی بادشاہت میں یگانہ ہے، جس کا کوئی مقابل اور مماثل نہیں، نہ وہ کسی چیز سے مشابہ ہے اور نہ کوئی چیز اس کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔“ (ہندوستان میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری/ کتاب الہند ص: ۱۳/ اردو ترجمہ ۱/ ۲۴)

البیرونی کا کہنا ہے کہ بُت پرستی ہندو عوام کا طریقہ ہے، بُت پرستی خواص ہندوؤں کا طریقہ نہیں ہے، اس کی دلیل وہ گیتا کی عبارت سے دیتا ہے کہ: بہت سے لوگ اپنی اغراض کے لئے میرے (خدا) غیر کے ذریعہ ثواب حاصل کرنا چاہتے ہیں، اور میرے ماسوا کے لئے اس کا وسیلہ بنانا چاہتے ہیں ہم (خدا) ان لوگوں کو قوت اور توفیق دیتے ہیں اور ان کی مراد تک پہنچا دیتے ہیں، اس لئے کہ ہم ان سے مستغنی ہیں۔ (کتاب الہند ص: ۵۴/ اردو ترجمہ ۱/ ۱۴۴، ۱۵۸)

البیرونی شودروں کی نجات کے متعلق لکھتا ہے کہ:

”بعض لوگ کہتے ہیں کہ برہمن اور چھتری کے سوا دوسروں کو جن کے لئے وید سیکھنا ممکن نہیں نجات نہیں مل سکتی، ان کے محققین کا قول ہے کہ نجات ان طبقوں اور کل نوع انسانی کے لئے مشترک ہے بشرطے کہ ان لوگوں میں نجات حاصل کرنے کا کامل ارادہ پیدا ہو جائے، اس کی دلیل یہ ہے کہ: بیاس کا کہنا ہے کہ پچیس باتوں کو تحقیق کے ساتھ جان لو پھر جو دین چاہو اختیار کرو، یقیناً نجات پاؤ گے، اور اس دلیل سے بھی کہ بیاس شودر نسل سے ہے۔“ (کتاب الہند ص: ۵۱/ اردو ترجمہ ۱/ ۱۳۳)

ابوریحان البیرونی کا کہنا ہے کہ:

”ہندوؤں میں قتل، چوری، شراب خوری اور زنا کے لئے سخت سزائوں کے قوانین تھے، اگر قاتل برہمن اور مقتول دوسری ذات کا ہوتا تو برہمن کو سزا تو نہیں دی جاتی لیکن اس کا کفارہ ادا کرنا پڑتا، وہ برت رکھتا، صدقے کرتا اور عبادت میں مشغول رہتا، اور مقتول بھی برہمن ہوتا تو یہ گناہ کبیرہ سمجھا جاتا جس کو کفارہ بھی دوڑ نہیں کرتا، اس کی سزا آخرت میں ملتی، اس کے بعد شراب خوری اور زنا کا گناہ تھا، برہمن یا چھتری شراب یا زنا کے مرتکب ہوتے تو ان کا مال ضبط کر کے ان کو ملک سے باہر نکال دیا جاتا، برہمن اگر چوری کرتا تو اس

کی آنکھیں نکلوای جاتیں، پھر اس کا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کٹوا دیا جاتا، ان دونوں کے علاوہ اور چوروں کو قتل کر دیا جاتا، زانیہ عورت شوہر کے گھر سے نکال دی جاتی اور جلاوطن رہتی۔ (کتاب الھند عربی ص ۲۸۱)

رحمۃ للعالمین حضرت محمد ﷺ کے متعلق متعدد ہندو کتابوں جیسے، ”بھوشیا پران“ اور ”کلکی پران“ میں متعدد بشارتیں درج ہیں، ان کے متعلق ڈاکٹر ضیاء الرحمن اعظمی ماہر ادیان نے لکھا ہے کہ:

”شاید آریوں نے یہ بشارتیں سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے اخذ کی ہیں، اس لئے کہ انھوں نے اللہ سبحانہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں رسول مبعوث کر دے، جیسا کہ قرآن میں اس کا ذکر آیا ہے کہ: ”ربنا وابعث فیہم رسولا منهم یتلوا علیہم آیاتک ویعلمہم الکتاب والحکمۃ ویزکیہم إناک أنت العزیز الحکیم۔“ (البقرہ ۱۲۹)

اے ہمارے رب ان میں انھیں میں سے رسول بھیج جو ان کے پاس تیری آیتیں پڑھے انھیں کتاب و حکمت سکھائے اور انھیں پاک کرے، یقیناً تو غلبہ والا ہے اور حکمت والا ہے۔

اس لئے کہ یہ بات ثابت ہے کہ آریوں کی ہجرتیں اسی زمانہ میں ہوئی ہیں جب عراق اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کا ظہور ہو چکا تھا، اور یہ وہ علاقے ہیں جہاں سے ہوتے ہوئے ترک وطن کے سفر میں آریہ لوگ گزرے تھے یہاں تک کہ بعد میں سندھ تک پہنچے اور اپنے ساتھ وہ بعض کلدانی اور بابلی افکار بھی لے کر آئے جن کا انکشاف وادی سندھ کی ”موہن جودارو“ کی کھدائیوں میں ہو چکا ہے۔

میری رائے تھی کہ کلمہ ”برہمن“ کی نسبت ابراہیم علیہ السلام کی طرف ہے، پھر میں نے ابوالفضل السکسکی (۷۸۳ھ) کی کتاب ”البرہان فی معرفۃ الأديان“ دیکھی تو اس میں انھوں نے لکھا ہے کہ:

ان کا نام ”برہمن“ پڑا، اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اقرار کرتے ہیں، اور ”واسطوں“ کو جھوٹ بتلاتے ہیں، یعنی رسولوں کو، سوائے ابراہیم علیہ السلام کے، یہ ان کی رسالت کے قائل ہیں اسی لئے ان کا نام ”برہمن“ رکھا گیا ہے۔ (البرہان فی معرفۃ الأديان ص ۸۷، بحوالہ: دراسات فی اليهودية والمسيحية وأديان الهند ص: ۷۰۵)

جین مت کے دو بڑے فرقوں ”ڈگمبری“ اور ”شوتمبری“ کے دو فرقے بالترتیب، تاران بنتھس، اور ”داس“ مورتی پوجا کو حرام قرار دیتے ہیں، جینیوں کے اہم عقائد میں سے ہے ”اہنسا پر مودھرا“، یعنی افضل دین کسی کو اذیت نہ دینا ہے، جینی یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم خالق کے وجود کا انکار نہیں کرتے۔ (دراسات فی اليهودية والمسيحية وأديان الهند ص ۶۶۶)

بدھ مت کے متعلق محققین کا ایک گروہ کہتا ہے کہ بدھ الہ اکبر پر ایمان رکھتے تھے، لیکن اس کا اہتمام زیادہ نہیں کیا، اس لئے کہ ہندوستانی معاشرہ میں یہ ایک معلوم حقیقت تھی، اس مذہب کے دس اصول بہت مشہور ہیں۔ کسی کا قتل کرنا، چوری کرنا، جھوٹ بولنا، شراب پینا، ظہر کے بعد کھانا کھانا، رقص و موسیقی، خوشبو لگانا، عام راستوں اور بلند جگہوں پر بیٹھنا، اور سونے چاندی کے تحائف قبول کرنا سب حرام ہیں، بدھ نے مساوات انسانی کی تعلیم دی ہے اور وہ ہندو ذات بندی کے قائل نہیں ہیں بلکہ تفریق کی بنیاد صلاحیت کا ہونا نہ ہونا ہے، ادنیٰ طبقہ کے فرد کو بھی نجات حاصل ہو سکتی ہے اگر وہ عشق و محبت اور مراقبت کے طریقہ کا پابند ہو (دراسات ص ۶۴۴) جین جو بدھ کا پیرو ہے، بقول علامہ ابوالکلام آزاد وہاں قدیم زمانے سے مقامی خداؤں کے ساتھ ”آسمانی“

ہستی کا اعتقاد بھی موجود تھا۔ (ترجمان القرآن ۱/۲۵۸)

سکھ مذہب میں متعدد چیزیں ایسی ہیں جو اسلام کے مثل ہیں بلکہ اسلام سے ماخوذ ہیں:

۱- اللہ کی توحید پر ایمان کا ذکر اس طرح آیا ہے کہ:

اللہ ازل ہی، خالق ہے، محیط ہے، علّٰی العلل ہے، حسد اور تنافر سے دور ہے، وہ تمام اقوام کا الہ ہے، عادل ہے، رحیم ہے، کریم ہے، انسان کو اس لئے نہیں پیدا کیا ہے کہ انھیں عذاب دے، بلکہ ان کی حقیقی غایت اللہ کی عبادت کرنا ہے۔ (مقدمہ ترجمہ گرو گرنٹھ صاحب از ڈاکٹر چوپال چندرسنگھ)

ڈاکٹر موصوف مزید لکھتے ہیں کہ: ”الہی عدالت میں سب برابر ہیں اللہ ان میں قوم و جنس کی بنا پر تمیز نہیں کرتا، لہذا سب کا محاسبہ ان کے اعمال کے مطابق ہوگا۔“

خود ”نانک“ سکھ مذہب کے بانی کہتے ہیں کہ: رب ہی اس کائنات کی تمام محسوس اور غیر محسوس چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں کہ: ”اسے خود تخلیق میں کسی چیز کی حاجت نہیں۔“

۲- سکھ مت میں رہبانیت حرام ہے اور اپنے اتباع کو کسب رزق پر ابھارتا ہے۔

۳- روجوں کا دنیا میں بار بار لوٹ کر آنا ضروری نہیں بلکہ انسان محض اللہ کے لطف و کرم سے بار بار آنے سے نجات پاسکتا ہے، سکھوں کا یہ عقیدہ اسلام سے اس حد تک میل کھاتا ہے کہ اللہ کے لطف و کرم سے نجات ملتی ہے ورنہ تناخ ارواح بے اصل ہے۔

۴- سکھ مت اس کا قائل ہے کہ اللہ کی جانب سے معافی اور مغفرت میں مرد و عورت سب برابر ہیں، یہ عقیدہ اسلام کے مطابق ہے، بلکہ اسی سے ماخوذ ہے۔

۵- سکھ مت کہتا ہے کہ رب کی نظر تمام قوموں پر ہے اور اس کا دین سب کے لئے ہے، جو اس پر عمل کرے نجات پائے گا۔

۶- سکھ مت عقیدہ اوتار کا قائل نہیں یعنی ”رب خود انسانی شکل میں اتر کر نیک بندوں کو نجات دیتا ہے“ بلکہ سکھ مت عقیدہ رسالت و نبوت کا قائل ہے۔ یہ عقیدہ بھی اسلام کے عقیدہ کے مثل ہے بلکہ اسلام سے ماخوذ ہے۔ (دراسات فی الیہودۃ والمسیحیۃ وادیان الهند ص ۶۹۲)

زرتشت کی تعلیمات میں توحید، آخرت، ملائکہ، نیکی، بدی، شیطانیّت انسانیّت وغیرہ کی تفصیلات موجود ہیں، بعد کے تغیرات کا ذکر یہاں مقصود نہیں ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

”ہندوستان کے ویدوں میں دیوتاؤں کی پرستش اور قربانیوں کے اعمال و رسوم جس طرح پائے جاتے ہیں قریب قریب ویسے ہی عقائد و رسوم پارس اور مادا (Media) میں بھی پھیلے ہوئے تھے، زردشت کا جب ظہور ہوا تو اس نے ایرانیوں کو ان قدیم عقائد سے نجات دلائی اور ”مزدینا“ کی تعلیم دی، یعنی دیوتاؤں کی جگہ ایک خدائے واحد ”اھورامزدا“ کی پرستش کی، ”یہ ”اھورامزدا“ یگانہ ہے، بے ہمتا ہے، بے مثال ہے، نور ہے، پاکی ہے سرتا سر حکمت اور خیر ہے، اور تمام کائنات کا خالق ہے، اس نے انسان کے لئے دو عالم بنائے ایک عالم دنیوی زندگی کا ہے، دوسرا مرنے کے بعد کی زندگی کا، مرنے کے بعد جسم فنا ہو جاتا ہے،

مگر روح باقی رہتی ہے اور اپنے اعمال کے مطابق جزا پاتی ہے، دیوتاؤں کی جگہ اس نے ”امش اسپند“ اور ”یزنا“ کا تصور پیدا کیا، یعنی فرشتوں کا، یہ فرشتے ”اھورا مزدا“ کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں، برائی اور تاریکی کی طاقتوں کی جگہ ”انگرا مے نیوش“ کی ہستی کی خبر دی، یعنی شیطان کی، یہی ”انگرا مے نیوش“ پازند کی زبان میں ”اھرمن“ ہو گیا۔

زرتشت کی تعلیم میں ہندوستانی آریاؤں کے ویدی عقائد کا رد صاف صاف نمایاں ہے، ایک ہی نام ایران اور ہندوستان دونوں جگہ ابھرتا ہے اور متضاد معنی پیدا کر لیتا ہے، ”اوستا“ کا ”اھورا“ سام اور بکر وید میں ”اسورا“ ہے، اور اگرچہ رگ وید میں اس کا اطلاق اچھے معنوں پر ہوا تھا مگر اب وہ برائی کی شیطانی روح بن گیا ہے، ویدوں کا ”اندرا“ اوستا کا ”انگرا“ ہو گیا، ویدوں میں وہ آسمان کا خدا تھا ”اوستا“ میں زمین کا شیطان ہے، ہندوستان اور یورپ میں دیو (Dev) اور ڈیوس (Deus) اور تھیوس (Theus) خدا کے لئے بولا گیا، لیکن ایران میں ”دیو“ کے معنی عفریتوں کے ہو گئے، گویا دونوں عقیدے ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے، ایک کا خدا دوسرے کا شیطان ہو جاتا تھا، اور دوسرے کا شیطان پہلے کے لئے خدا کا کام دیتا تھا، اسی طرح ہندوستان میں ”یم“ موت کی طاقت ہے، ”اوستا“ کی روایتوں میں ”یم“ زندگی اور انسانیت کی سب سے بڑی نمود ہوئی اور پھر یہی ”یم“ جم ہو کر جمشید ہو گیا۔ (ترجمان القرآن سورة الفاتحہ/۲۸۰)

سابقہ سطروں سے یہ واضح ہے کہ مشرقی مذاہب میں توحید کسی نہ کسی درجے میں ان کے قدیم مصادر میں موجود ہے، متعدد مشرقی مذاہب رسالت آسمانی اور آخرت کے بھی قائل ہیں، اور قتل، چوری، زنا، شراب نوشی اور متعدد جرائم کو حرام مانتے ہیں، آج کی دنیا مادی اور تمدنی ترقی سے سمٹ کر ایک گاؤں کی طرح بن چکی ہے لیکن اس قربت کے ساتھ نسل انسانی میں قتل و خوں ریزی، فساد، لوٹ مار، زنا کاری، بے حیائی، شراب نوشی، جنگ و جدل، ملکوں کی تاراجی، بعض اقوام کا بعض کو مجبور و مقہور بنانا عام ہے، جس سے انسان اور کرہ ارض کی تباہی کے اندیشے ظاہر کئے جا رہے ہیں، اور کچھ نہیں تو دیگر جانداروں کے مقابل انسانوں کی انسانیت تباہی کے دہانے پر پہنچ رہی ہے، ایسے میں مشرقی مذاہب کو ماننے والی قومیں اپنی اصل تعلیمات کو بنیاد مان کر پر امن بقائے باہم کا راستہ اپنا سکتی ہیں اور باہمی اختلاف جنگ و جدل اور برائیوں سے انسانی معاشرہ کو پاک کر سکتی ہیں، دنیا میں بھلائی کے ساتھ آخرت میں نجات کا راستہ اسی سے مل سکتا ہے اور ہمارا مالک اللہ ہم سے راضی ہو سکتا ہے، یہ سوچنے کی بات ہے کہ ہمارا مالک اللہ ہے، اور ہم سب ایک ہی ماں باپ آدم و حوا کی اولاد ہیں، قرآن مجید کہتا ہے: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ، وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا۔ (۷۰/۱۷) یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی اور انھیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور انھیں پاکیزہ چیزوں کی روزیاں دیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر انھیں فضیلت عطا فرمائی۔

انسان ہونے کے ناطے یہ شرف و فضل ہر انسان کو ملا ہے، یہ شرف دیگر مخلوقات جیسے حیوانات، نباتات اور جمادات وغیرہ کے مقابل ہے، انسانوں میں زیادہ معزز اللہ سے ڈرنے والا اور نیک عمل والا ہوتا ہے خونی رشتوں کو جوڑنا، پڑوسی کے حقوق ادا کرنا، یتیموں کی رکھوالی، والدین، میاں بیوی اور اولاد کے حقوق کی نگاہداشت، باہمی معاملات میں عدل کرنا ضروری ہے، ظلم، رشوت، سود اور غلہ لوگوں کی ضرورت کے باوجود جمع کر کے رکھنا حرام ہے، ان سارے امور پر انسانی تعلقات کی بہتری اور انسانی عزت و شرف قائم ہوتا ہے، ان کی پاسداری تمام اہل مذاہب شرقیہ کو کرنی چاہئے۔ باہمی تعاون سے تعمیر انسانیت ہوتی ہے، قرآن مجید نے اس کی تاکید کی

ہے: ”وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان، واتقوا الله ان الله شديد العقاب۔“ (۲/۵) نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم و زیادتی میں مدد نہ کرو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ کوئی فرد ہو یا قوم اس کی حریت اور آزادی کی رعایت ضروری ہے اور یہ کسی قوم کے دین، جان و مال اور نسل اور آبرو کی حفاظت سے عبارت ہے، دنیا کی تمام حکومتوں نے ہمیشہ اسے لازم مانا ہے، آج بھی تمام اقوام پر اپنے اور دوسروں کے تعلق سے یہ ضروری ہے، تمام افراد و اقوام کو رذائل اخلاق سے بچنا اور فضائل اخلاق جیسے بردباری، عفت و پاکیزگی، تواضع عفو و درگزر ایثار وغیرہ کو اپنے اور دوسروں کے لئے اختیار کرنا چاہئے، عدل جس کا تذکرہ ہم نے کیا ہے، انسانوں کے باہمی خوشگوار اور پر امن تعلقات کی اساس ہے اور دنیا بھر کی قومیں اس کی برکات کا فائدہ اٹھا سکتی ہیں، باہمی محبت والفت کی پابندی کرنی چاہئے اور فساد انگیزی سے تمام افراد و اقوام کو باز رہنا چاہئے، انسانوں کے افراد اور جماعات و اقوام کے پر امن بقائے باہم کے لئے نہایت ضروری ہے اور نوع انسانی کے ایک اصل سے ہونے کا تقاضا ہے کہ ان کو جوڑا جائے گا ٹانہ جائے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم فى الدين، ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم وتقسطوا إليهم، إن الله يحب المقسطين، إنما ينهاكم الله عن الذين قاتلوكم فى الدين وأخرجوكم من دياركم وظاهروا على إخراجكم أن تولوهم ومن يتولهم فأولئك هم الظالمون۔“ (۹، ۸/۶۰)

جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلا وطن نہیں کیا ان کے ساتھ سلوک واحسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمہیں صرف ان لوگوں کی محبت سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائیاں لڑیں اور تمہیں دلیں نکال دے اور دلیں سے نکال دینے والوں کی مدد کی جو لوگ ان سے محبت کریں وہ ظالم ہیں۔

آج انسانیت جس طرح اضطراب، فساد اور ظلم و تعدی کی مار چھیل رہی ہے اور سارے جہاں میں ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی ہے ضروری ہے کہ اس کو اپنے خالق اللہ سے جوڑا جائے اور سابقہ سطور میں مذکور امور پر تمام مذاہب شرقیہ کے ماننے والے متفق ہو کر آگے بڑھیں تو دنیا سے فساد اور افتراق کے بادل چھٹ سکتے ہیں، اب آخر میں قرآن مجید کی ایک آیت ذکر کر کے اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

ومن أحسن قولاً ممن دعا إلى الله وعمل صالحاً وقال إنني من المسلمين، ولا تستوي الحسنة ولا السيئة، ادفع بالتي هي أحسن فإذا الذى بينك وبينه عداوة كأنه ولي حميم، وما يلقاها الا الذين صبروا وما يلقاها الا ذو حظ عظيم۔ (۳۵، ۳۳/۴۱)

اور اس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں، نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، برائی کو بھلائی سے دفع کرو، پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے ایسا ہوگا جیسے جگری دوست، اور یہ بات انھیں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کریں اور اسے سوائے بڑے نصیب والوں کے کوئی نہیں پاسکتا۔

وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین۔

فرد و معاشرے کی اصلاح میں عبادت کا اثر

حماد عبد الغفار سلفی

صالح معاشرہ امن امان کا ایسا گھر ہوتا ہے جس میں بڑی خوشیاں چھپی رہتی ہیں، جب لوگ باہمی تعاون سے زندگی سے بسر کرتے ہیں تو ماحول آسودہ و خوشگوار نظر آتا ہے اور خوشیاں خود بخود حاصل ہو جاتی ہیں۔ اسلام لوگوں کو ایک نظام میں پرو کر انھیں پر امن زندگی گزارنے کی تلقین کرتا ہے، ساتھ ہی ساتھ پاکیزہ نفوس پر مشتمل ایسے معاشرے کو جو دیتا ہے جو اس امن کا گہوارہ ہو۔

عبادات جو اللہ اور بندے کے درمیان بڑا وسیلہ ہیں ایک صالح معاشرہ کی تشکیل میں بڑا رول ادا کرتی ہیں، کیونکہ عبادت انسان کے ایمان میں اضافہ اور اس کے نفس کا تذکیہ کر کے اسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جوڑ دیتی ہیں، اس کے اندر روح ربانی پیدا ہو کر اسے وہ ملکوتی قوت عطا کرتی ہے جس سے اسے برائیوں سے نفرت ہو جاتی ہے، وہ حقوق اللہ و حقوق العباد میں کسی بھی طرح کی کوتاہی نہیں کرتا، ایسے ہی سعید لوگوں سے معاشرہ کی اصلاح ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”من عمل صالحا من ذکر أو انثی وهو مومن فلنحیینه حیاة طیبة“ (النحل: ۹۷)

جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت، لیکن با ایمان ہو تو ہم اسے یقیناً بہتر زندگی عطا فرمائیں گے۔

نیک اعمال میں عبادت سرفہرست ہیں ان کو بجالانے سے جو حیاة طیبہ حاصل ہوتی ہے، وہی انسان کو خوشی اور راحت و سکون عطا کرتی ہے، ان سب کے مجموعہ سے معاشرہ بھی بھلا معلوم ہوتا ہے۔

عبادات، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، ذکر و اذکار وغیرہ سب کو شامل ہیں، آئندہ سطور میں ہم جائزہ لیتے ہیں کہ فرد و معاشرہ کی اصلاح میں عبادت کیسے اثر پذیر ہوتی ہیں۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”فتنة الرجل في أهله وماله ونفسه وولده وجاره يكفرها الصيام والصلوة والصدقة والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر“ (راوہ مسلم/رقم الحدیث: ۱۴۳۰) اسی حدیث میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ عبادت فتنوں (منکرات و سینات) کو ختم کر دیتی ہیں، انسان ان کی برکت سے صالح ہو جاتا ہے، اس کی سعادت معاشرہ کو بھی سعید بنا دیتی ہے۔ فرد افراد ان عبادت کی تاثیر ایجاز کے ساتھ ذکر کی جا رہی ہیں:

نماز: نماز جو اسلام کا رکن ثانی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں فرمایا: ”قد أفلح المومنون۔ الذین هم فی صلواتهم خشعون۔ والذین هم عن اللغو معرضون۔“ (المومنون: ۳، ۴)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ”إِنَّ الصلوة تنهى عن الفحشاء والمنكر“ (العنکبوت: ۴۵)

ان دونوں آیتوں سے واضح اشارہ ملتا ہے کہ اخلاص و طہارت قلب، خشوع و خضوع اور اعتدال و اطمینان کے ساتھ اگر نماز ادا کی جائے تو اللہ تعالیٰ اس عظیم عبادت میں ایسی روحانی تاثیر پیدا کر دے گا جو عابد کو برائیوں و بے حیائیوں سے دور رکھے گی۔

جب معاشرے میں نمازیوں کی تعداد بڑھے گی تو اس کی برکت سے لغو و لایعنی باتیں، غیبت و چغلیخوری اور اسی جیسی دیگر برائیاں جو آپسی رنجش کا سبب بنتی ہیں ختم ہو جاتی ہیں، لوگ اخلاق حسنہ سے آراستہ و پیراستہ ہوتے ہیں انسان اپنی طرح اپنے بھائی کی عزت کا بھی خیال رکھتا ہے، اس طرح معاشرہ و افراد معاشرہ کی اصلاح ہو جاتی ہے۔

زکوٰۃ: زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”و اقيموا الصلاة و اتوا الزکوٰۃ“ (البقرة: ۴۳) ”خذ من اموالهم صدقة تطهرهم و تزكيتهم بها“ (التوبة: ۱۰۳) زکوٰۃ کی ادائیگی سے نہ صرف مال پاک ہوتا ہے بلکہ بذات خود مسلمان کنجوسی و بخیلی کی رذالتوں سے پاک و صاف ہوتا ہے، مال کے بالمقابل اس پر اللہ تعالیٰ کی محبت غالب ہو جاتی ہے، وہ اللہ کے راستے میں خرچ کرتا اور ضرورت مندوں کی مدد کرتا ہے، معاشرے کے افراد و یو ثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصة“ (الحشر: ۹) کی عملی تصویر بن جاتے ہیں، معاشرے سے فقر و فاقہ، چوری خیانت جیسے جرائم ختم ہو جاتے ہیں، لوگ پیار و محبت کے ماحول میں رہ کر الفت و جانثاری کی مثال بن جاتے ہیں۔

روزہ: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”يا ايها الذين امنوا كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم لعلكم تتقون“ (البقرة: ۱۸۳)

تقویٰ مذکورہ تمام چیزوں کو شامل ہے، روزہ انسان کے نفس کی طہارت و تزکیہ کر کے اس کے اخلاق و کردار کو سنوار دیتا ہے، حیوانی جذبے کو قابو کرنے کی قدرت عطا کرتا ہے اور اس سے بڑی بڑی خرابیاں مٹ جاتی ہیں، نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء“ (صحیح البخاری، کتاب النکاح باب من استطاع منكم الباءة الخ)

روزے کی برکت سے جنسی بے راہ روی ختم ہوتی ہے کیونکہ بھوک انسان کو اس عمل سے باز رکھنے میں معاون ہے تو تقویٰ و اس عبادت کی عظمت کا خیال بھی انسان کو فعل بد سے بچاتا ہے۔ اس کی برکت سے ظلم و جور غیبت و عزت نفس پر حملہ جیسی برائیاں ختم ہو جاتی ہیں، لڑائی جھگڑے سے مأمون معاشرہ میں لوگ پرسکون زندگی گزارتے ہیں۔

حج: حج انسان کی عملی تربیت ہے، بندہ اپنے رب کے سامنے عاجزی و انکساری ظاہر کر کے اس کی رضا کا طالب ہوتا ہے، اس کے اندر سرکشی کا عنصر دم توڑ دیتا ہے، اس کا دل نرم ہو جاتا ہے دوسرے مسلم بھائی کے ساتھ بھلائی سے پیش آتا ہے، اس کی برکت سے ایسی محبت جنم لیتی ہے جو ”بنیان مرموص“ کا نظارہ دیتی ہے۔

ذکر و اذکار: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ نزل أحسن الحديث کتابا متشابها مثانی، تقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم ثم تلين جلودهم و قلوبهم إلى ذکر اللہ۔ الاية (الزمر: ۲۳) اللہ تعالیٰ نے بہتین کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے جو آپس میں ملتی جلتی اور بار بار دہرائی ہوئی آیتوں کی ہے، جس سے ان لوگوں کے روٹھے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب کا خوف رکھتے ہیں اور ان کے جسم و دل اللہ کے ذکر کی طرف نرم ہو جاتے ہیں۔

قرآن کی تلاوت بہترین ذکر ہے، قرآن میں احکام شرعیہ، قصص، مومنین و ان کے جزاء، کفار و ان پر وعید وغیرہ کی آیتوں کو پڑھ کر مومنین کی جو حالت ہوتی ہے اس کے بعد ان سے کسی برائی کی توقع نہیں کی جاسکتی، إلا ما شاء اللہ، دیگر اذکار و ادعیہ بھی یہی رول ادا کرتے ہیں، ان تمام صورتوں میں معاشرہ میں برائیاں یا تو پیدا ہی نہیں ہوتیں یا پنپ نہیں پاتیں۔

جھوٹ کی مضرتیں

عبدالمسیح محمد ہارون انصاری سلفی
بھوارہ، مدھونی، بہار

جھوٹ بولنا بظاہر جتنا آسان بولنے میں معلوم ہوتا ہے اور جو لوگ معمولی سے معمولی فائدے کے لئے جس غلت و شتابی سے شب و روز جھوٹ بولنے کو معمولی بات سمجھتے ہیں انہیں قرآن وحدیث میں بیان اس کی بے پناہ مضرتوں کے علاوہ یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ یہ کبیرہ گناہ ہے جس پر اللہ کے یہاں بڑی سخت گرفت اور وعید ہے۔ ہم یہاں جھوٹ بولنے کی چند مضرتوں کی جانب نشاندہی کرتے ہیں کہ لوگ اسے جتنی آسانی سے لیتے ہیں وہ واقعہً اور شرعاً کس قدر اہم چیز ہے۔ جھوٹ کی چند مضرتوں کے بیان سے عین قبل ہمیں وہ صحیح حدیث یاد آتی ہے جو اصلاً سچ بولنے کی برکت کی بات مختلف احادیث کتب میں منقول ہے مگر وہ ٹھیک اس کے ساتھ جھوٹ کی مضرتوں کی بابت بھی اجتماعی طور سے کئی ایک باتوں کی جانب نشاندہی کرتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ مجھ میں چار بڑی عادتیں ہیں، ایک یہ میں بدکاری کرتا ہوں، دوسری چوری کی عادت ہے، تیسری شراب نوشی اور چوتھی میرے اندر جھوٹ بولنے کی عادت ہے۔ آپؐ فرمائیں تو میں آپؐ کی خاطر کسی ایک خصلت کو ترک کر دوں گا (مگر سبھی خصلت نہیں) آپؐ نے فرمایا کہ جاؤ تم جھوٹ بولنا ترک کر دو۔ رات ہوئی تو اسے عادۃً بدکاری اور شراب نوشی کا خیال ہوا معاً یہ بات بھی کہ اگر صبح نبی کریم ﷺ رات کی حالت دریافت کریں گے تو کیا جواب دوں گا۔ اگر سچ بتاؤں گا تو ان بڑے جرائم کی حد جاری ہوگی اور اگر جھوٹ بولوں گا تو جھوٹ بولنے کا نبی ﷺ سے وعدہ کر لیا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی انہوں نے دونوں جرم کے ارتکاب سے گریز کیا۔ پھر جب مزید رات ہوئی تو چوری کا خیال آیا اس وقت بھی سچ بولنے پر، نبیؐ کے پاس، حد جاری کئے جانے کا خوف ہوا تو جھوٹ بولنے پر نبی ﷺ سے کئے گئے وعدہ کی خلاف ورزی کا خیال آیا پھر اس جرم سے بھی باز رہے۔ صبح ہوئی تو وہ خوش خوش نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول سچ بولنے کی برکت سے میرے اندر کی تمام بڑی برائیاں ختم ہو گئیں۔ اس پر آپ ﷺ نے بے حد خوشی کا اظہار کیا۔

بہر حال سچ بولنے کے جتنے فوائد و ثمرات ہیں اسی قدر جھوٹ بولنے کے لئے مضرتات ہیں۔ مثلاً جھوٹ بولنے سے آدمی کا وزن اور اعتبار لوگوں کے سچ ختم ہو جاتا ہے۔ وہ جب بھی کوئی بات حتیٰ کہ بالکل سچ بات بھی کرتا ہے تو لوگ اس کی باتوں کا اعتبار نہیں کرتے وہ لوگوں میں بے وزن اور بے وقعت ہو کر رہ جاتا ہے جو کسی بھی معمولی سے معمولی حساس آدمی کو لرزا اور ترسادینے کے لئے کافی ہوگا کہ واقعہً ایسا آدمی لوگوں میں تب کس قدر گرا ہوا اور ذلیل سمجھا جاتا ہے۔

ایک گڈ ریا اور بھیڑ کا واقعہ بہت مشہور ہے کہ وہ بھیڑ لے کر جنگل میں انہیں چرانے جایا کرتا تھا، ایک روز اسے مذاق سوچھی اس نے قریب کے لوگوں کو آواز دی اور جھوٹا ہنگامہ کیا کہ لوگو! بھیڑ یا آیا، بھیڑ یا آیا، مجھے بچاؤ، بچاؤ۔ لوگ اخلاقاً اسے اور اس کے جانور کو بچانے کے لئے دوڑے، مگر جب وہاں پہنچے تو بھیڑ یا ندر تھا۔ لڑکا چرواہا اپنی شرارت پر خوب ہنسا اور لوگ اپنا سامنہ لے کر لوٹ گئے۔ دوسرے دن بھی چرواہے نے ٹھیک ایسی ہی حرکت کی۔ پھر لوگ لوٹ گئے۔ تیسرے دن واقعہً بھیڑ یا آیا۔ اب وہ خوب شور کر رہا تھا۔ لوگ اسے جھوٹا سمجھ رہے تھے۔ لہذا اسے بچانے نہیں گئے۔ چرواہا سمیت اس کے جانور کو بھیڑ یا نے کھالیا۔ یہ واقعہ اپنی جگہ جیسا بھی

ہو مگر اس میں مضمر جو پیغام ہے وہ سو فیصد صحیح اور قابل احترام و عمل ہے۔ آدمی جھوٹ بولتے بولتے ایک نہ ایک دن جب اپنی اصلیت ظاہر کر دیتا ہے تو وہ پھر آگے ہمیشہ کے لئے بے وقعت ہو کر رہ جاتا ہے۔ میں خود ایسے کئی ایک آدمی کو جانتا ہوں جو بڑا جھوٹا ہے کہ اگر وہ بالکل سچی بات بھی بولتا ہے تو لوگ اس کا اعتبار نہیں کرتے وہ سماج میں بے وقعت ہے۔

جھوٹ کی قباحت و مضرت پر جاتے جاتے ایک نفیس و عجیب واقعہ نقل کرتا ہوں جسے خطیب الاسلام حضرت مولانا عبدالرؤف جھنڈا نگرؒ نے اپنی کتاب ایمان و عمل میں کتاب التقدير کے حوالے سے نقل کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ جھوٹ ایسی بُری عادت ہے جو جانوروں تک میں مذموم اور قبیح فعل ہے۔ حافظ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ امام احمد کے سلسلہ مُشاخ میں سے ایک شخص کا بیان ہے کہ ایک چیونٹی اپنے سوراخ سے نکلی، اسے مری ہوئی ٹڈی کا ایک ٹکڑا ملا۔ اس نے اٹھنا چاہا مگر اٹھانہ سکی اور چھوڑ کر چلی گئی اور اس کو اٹھانے کے لئے کئی چیونٹیوں کو بلا لائی۔ میں نے اس ٹکڑے کو زمین سے اٹھالیا، چیونٹیوں نے اس جگہ ٹکڑے کو تلاش کیا اور جب نہ ملا تو باقی واپس چلی گئیں اور وہ اکیلی وہیں رک گئی۔ میں نے اس ٹکڑے کو اس کے سامنے رکھ دیا۔ اس نے اسے پھر اٹھنا چاہا۔ مگر نہ اٹھاسکی پھر واپس گئی اور دوسری چیونٹیوں کو بلا کر ساتھ لائی۔ میں نے پھر وہ ٹکڑا اٹھالیا۔ وہ سب ادھر ادھر دیکھ کر پھر واپس چلی گئیں۔ میں نے تین دفعہ ایسا ہی کیا۔ آخر یہ ہوا کہ ان چیونٹیوں نے ایک حلقہ باندھا اور اس چیونٹی کو حلقہ میں لا کر اس کا ایک ایک عضو الگ کر دیا۔ میں نے اس حکایت کا تذکرہ جب اپنے استاد سے کیا تو انہوں نے فرمایا کہ دوسری چیونٹیوں نے اس چیونٹی کو اس لئے مار ڈالا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت میں یہ بات ڈال دی ہے کہ جھوٹ بُری بات ہے اور جھوٹے کو سزا ملنی چاہئے اور وہ ان کے نزدیک جھوٹی ثابت ہوئی۔

جھوٹ بولنے کی ایک خاص مضرت یہ ہے کہ آدمی کو ایک جھوٹ کی خاطر کئی جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔ اس کی وضاحت ایک ایسے واقعہ سے کی جاسکتی ہے جو ناچیز نے بچپن میں پڑھا تھا کہ ایک شریف بچہ جو پڑھنے میں بڑا لگن رکھتا تھا، شیطان نے اسے گمراہ کرنے کی بڑی کوشش کی۔ آخر ایک دن بھولی صورت میں شیطان آیا اور اس بچے سے کہا کہ آج فلاں جگہ بڑا مزہ آئے گا، میں تم کو خوب کھلاؤں گا اور سیر و تفریح کراؤں گا۔ بچہ نے کہا کہ نہیں میں اسکول نہیں جاؤں گا تو استاد خوب ماریں گے۔ شیطان نے کہا کہ اس کا حل میں بتاتا ہوں اگر تم کل اسکول جاؤ گے تو بولنا والدہ نے اہم کام کے سبب اسکول نہیں آنے دیا اور اگر شام کو دیر سے گھر گئے اور گھر میں والدہ پوچھیں تو کہنا کہ استاد نے کچھ کام کے لئے روک لیا تھا۔ بچہ شیطان کے بہکاوے میں آگیا۔ کل ہو کر جب اسکول میں آیا تو استاد کے سوال کا وہی جواب دیا۔ اب استاد نے اس کے والدہ سے تحقیق حال کیا تو معاملہ سراپا جھوٹ کا نکلا۔ اب بچہ اسکول اور گھر دونوں میں جھوٹا ثابت ہو گیا۔ اب وہ آگے کبھی سچ بھی بولتا تو لوگ اس کی بات کا اعتبار نہیں کرتے، بچے اسے جھوٹا بے ایمان کہہ کر مذاق اڑاتے۔ اس دن استاد اور گھر سے جو ضرب و توبیخ ملی سولی آگے وہ لوگوں کی نظر میں بے وزن اور ناقابل اعتبار بن گیا۔ ہم اپنی نجی زندگی میں اور اطراف و جوانب میں بھی غور کریں گے تو پائیں گے کہ آدمی کبھی بھول یا شیطنت کے زیر اثر جھوٹ تو بولتا ہے مگر جب متعلقہ بات کی تحقیق کی جاتی ہے تو وہ جھوٹ پر جھوٹ بولتا چلا جاتا ہے۔ یعنی ایک جھوٹ کی خاطر اور اپنے کو بزدل و زبردستی سچا ثابت کرنے کے لئے کئی ایک بار جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔ ایک جرم کتنی دفعہ حرام کراتا ہے؟

کذب و دروغ گوئی آدمی کو بزدل بناتی ہے اس کے مقابلہ میں صدق گوئی آدمی کو با حوصلہ اور ہمت و رہنمائی ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ آدمی کبھی اپنے مخاطب سے جھوٹ اس کی جانب سے ہونے والی مضرت کے سبب بولتا ہے یعنی وہ حالات سے مقابل ہونے کے بجائے

بزدلی کے سبب جھوٹ بول کر خود کو بظاہر خوش محسوس کرتا ہے مگر اس کے اندر شجاعت کا فقدان ہوتا جاتا ہے۔ جس کے زندگی میں از خود بڑے بڑے مضمرات سامنے آتے ہیں جب کہ ہمت و حوصلہ زندگی میں بڑے کام کی چیز ہوتی ہے۔ مشہور مگر سچ کہاوت ہے: ہمت مرداں مددِ خدا۔ کذب اور جھوٹ آدمی بے خوفی کی بنیاد پر بولتا ہے۔ اسے اس بات کا خوف نہیں ہوتا کہ شریعت میں یہ کبیرہ گناہ ہے۔ اس پر شریعت میں بڑی سخت گرفت ہے پھر یہ بے خوفی وہی چیز ہے جو اپنی وسعت کے اعتبار سے دنیا کے تمام چھوٹے بڑے جرائم پر آمادہ کرتا ہے۔ جھوٹ بولنے کی وہ مضرتیں ہیں جو ہمیں معلوم ہوتی ہیں قرآن وحدیث میں ان سے زیادہ اس کی مضرتیں بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ اللہ نے فرمایا: جھوٹ بولنے والوں پر اللہ کی لعنت ہے۔ ایک دوسری جگہ ارشادِ باری ہے: بے شک اللہ تعالیٰ حد سے زیادہ گزرنے والوں اور جھوٹ بولنے والوں کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جھوٹ بولنے سے تجارت کی برکت اللہ تعالیٰ ختم کر دیتا ہے۔ مگر یہ ایک المیہ ہے کہ غیروں کی طرح اپنوں میں بھی یہی تصور ہے کہ جھوٹ بولے بغیر تجارت ممکن ہی نہیں۔ اس میں نفع اور فائدہ اسی قدر ہے جس قدر تجارت پیشہ آدمی جھوٹ بولتا ہے۔ یہ سبھی بہر حال شیطانی خیالات ہیں۔ جھوٹ کی یہ چند بڑی مضرتیں بالکل سچ ہیں۔ اللہ ہمیں اس سے بچائے، آمین۔



(بقیہ صفحہ ۱۹ کا)

خلاصہ کلام:

معاشرہ کی اصلاح کے لئے ضروری ہے کہ اس کے افراد صالح ہوں، جب صالح لوگوں کی تعداد زیادہ ہوگی تو معاشرہ کی خود بخود اصلاح ہو جائے گی، لوگ اس کھوئے ہوئے سکون کو دوبارہ پالیں گے، جو ہماری بد اعمالیوں کے سبب ہم سے چھین چکے ہیں۔ اس مضمون کے لکھنے کا مقصد یہی ہے کہ عبادات کی ادائیگی کے وقت یہ ناجیہ بھی ذہن میں رہے کہ جس طرح اس سے ہم اللہ کی رضا و خوشنودی حاصل کر کے جنت کی ابدی نعمتوں سے فیض یاب ہوں گے، اسی طرح ان کی برکتوں سے اپنی اصلاح کر کے معاشرہ کو صالح بنائیں گے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ لوگ نماز بھی پڑھتے ہیں فریضہ روزہ کی ادائیگی بھی کرتے ہیں نیز دوسرے اعمال خیر کے کرنے والے بھی معاشرہ میں کچھ کم نہیں پھر یہ برائیاں، نت نئے فتنے کیسے سر ابھارتے ہیں؟ تو سب سے زیادہ ضروری شئی عبادات میں اخلاص و وجہ اللہ ہے، پھر چند گنے چنے لوگوں سے نہیں، عبادات ہر شخص سے مطلوب ہیں، تبھی روحانیت حاصل ہوگی۔ عموماً دیکھا یہ جاتا ہے کہ جتنے لوگ مسجد کا رخ کرتے ہیں اس سے دگنی تعداد ہوٹلوں کا، اس رویہ کو دور کرنا ضروری ہے، تبھی اصلاح ممکن ہے۔



مولانا ابوالکلام آزاد کی تصانیف میں کردار سازی

ڈاکٹر رشیدہ خاتون

ریڈر مہیلا مہاودیا لیہ، بی. ایچ. یو.

مولانا ابوالکلام آزاد ایک عظیم دانشور تھے، وہ مذہب، سیاست، رسم و رواج ہر میدان میں اجتہاد کے قائل تھے، اتنا بڑا عالم علوم قدیم و جدید کا ماہر سائنسی نظر سے دنیا کو دیکھنے والا اس عہد میں ان سے بڑا شاید ہی کوئی ہوا ہو، لوگ انہیں امام الہند کہتے تھے، وہ تو درحقیقت امام انسانیت تھے، جنہوں نے اپنی وہی صلاحیت سے نسلوں کی تعمیر و اصلاح کا کام کیا، انہیں مثبت سوچ دی، اور ان کے فکری دھارے کو صحیح رخ دیا اور انہیں جذباتیت سے نکال کر ہر مسئلے پر سنجیدگی اور متانت کے ساتھ غور و فکر کرنے کی دعوت دی۔

کوئی مفکر، دانشور اور مصلح حالات کے تقاضوں سے انحراف نہیں کر سکتا، آزاد کی تحریر و تقریر کا نمایاں پہلو درحقیقت وقت کے ان ہی تقاضوں پر محیط ہے، انہوں نے اپنی تحریروں سے کبھی کسی کو نقصان نہیں پہنچایا، کسی کی دل آزاری نہیں کی، ذاتیات کو کبھی زیر بحث نہیں لائے، وہ فرد سے زیادہ قوم اور جماعت کو اہمیت دیتے تھے، اجتماعی زندگی سے تعلق رکھنے والے ہر بڑے ادارے کی تشکیل میں کسی نہ کسی سطح پر مولانا کی بصیرت سرگرم دکھائی دیتی ہے، ساہتہ اکیڈمی، لٹل کلا اکیڈمی، سنگیت ناکل اکیڈمی اور آئی سی سی آر کے قیام کے علاوہ آزاد ہندوستان کے ابتدائی برسوں میں تعلیم و تحقیق کے جو بھی مراکز قائم ہوئے ان کے منصوبوں پر آزاد کے شعور کی گہری چھاپ ہے۔

مولانا نے انسان کی تعمیر حیات اور اس کی کردار سازی کے لئے جس تصور کا اظہار کیا اس کی بنیاد انہوں نے قرآن کو بنایا، انہیں یہ معلوم تھا کہ قوم کی ذہنی اور فکری تربیت کا سرچشمہ قرآن و سنت کی تعلیمات اور اپنے دین و تہذیب کی روشن قدریں ہی ہو سکتی ہیں، ان کے نزدیک وہی تعلیم درست ہو سکتی ہے جو جو جوانوں کو خدا اور رسول سے وابستہ رکھے، اور قرآن کی روشنی ان کے قلب میں اتارے، قرآنی تفہیم تعبیر اور بصیرت کی روشنی میں انہوں نے جن فکری، اخلاقی اور تہذیبی خرابیوں کی نشاندہی کی ہے وہ آج بھی اتنی ہی معنویت کی حامل ہے۔

آزاد نے ترجمان القرآن کے ذریعہ محض تفسیر ہی نہیں آزاد ہندوستان میں عالم انسانیت کی تعمیری خدمت کا ایک نسخہ، عہد نامہ بھی پیش کیا ہے، دین داری، دنیوی معیشت، مرد اور عورت کے حقوق، دعوت حق کی حیات بخشی، قومی فرض، مسلمانوں کی بے چارگی، دعوت حق کا طریقہ، لا اکراہ فی الدین وغیرہ اہم موضوعات پر بصیرت افروز تحریریں ہیں، ان کا خیال تھا کہ دین حق اس بات کا اعلان ہے کہ خدا پرستی اور دین داری کی راہ دنیوی معیشت اور دنیوی فلاح و ترقی کے خلاف نہیں بلکہ وہ ایسی کامل زندگی پیدا کرنا چاہتا ہے جس میں دنیا اور آخرت دونوں کی سعادتیں موجود ہوں۔

مولانا آزاد کے یہاں انسان کی کردار سازی میں اسلام کے تصور توحید کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، قرآن نے خدا پرستی کی بنیاد ہی اس جذبہ پر رکھی ہے کہ انسان خدا کی صفات کا پرتو اپنے اندر پیدا کرے، انسانیت کی تکمیل اور جو ہر انسانیت کی تحصیل اسی کے ذریعہ ہو سکتی ہے، آزاد کے نزدیک عالم انسانیت میں فلاح و امن کا قیام اور اخوت و مساوات کا فروغ اسی بنیاد پر ہو سکتا ہے، توحید کے قرآنی تصور کے بغیر انسان سراٹھا کر نہیں جی سکتا، اس کے کردار کی بلندی کا انحصار اسی پر ہے، انسانوں کی زندگی میں مولانا آزاد اس تصور کو اتنا مضبوط کر دینا چاہتے تھے کہ اس کی زندگی نیابت الہی کا نمونہ بن جائے، وہ اس تصور کی روشنی میں حیات انسانی کے اندر خدائی صفات کا عکس دیکھنا چاہتے تھے، خود آزاد کے لفظوں میں:

”پس اگر وہ خدا کی رحمت کا تصور ہم میں پیدا کرنا چاہتا ہے تو یہ اس لئے ہے کہ وہ چاہتا ہے ہم بھی سر تا پا رحمت و محبت

ہو جائیں، اگر وہ اس کی ربوبیت کا مرتع بار بار ہماری نگاہوں کے سامنے لاتا ہے تو یہ اس لئے ہے کہ وہ چاہتا ہے ہم بھی اپنے چہرہ اخلاق میں ربوبیت کے سارے خدوخال پیدا کر لیں، اگر وہ اس کی رافت و شفقت کا ذکر کرتا ہے، اس کے لطف و کرم کا جلوہ دکھاتا ہے، اس کے وجود و احسان کا نقشہ کھینچتا ہے، تو اسی لئے کہ وہ چاہتا ہے، ہم میں بھی ان الہی صفتوں کا جلوہ نمودار ہو جائے، وہ بار بار ہمیں سناتا ہے کہ خدا کی بخشش و درگزر کی کوئی انتہا نہیں اور اس طرح ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہم میں بھی اس کے بندوں کے لئے بخشش و درگزر کا غیر محدود جوش پیدا ہو جانا چاہئے، اگر ہم اس کے بندوں کی خطائیں بخش نہیں سکتے تو ہمیں کیا حق ہے کہ اپنی خطاؤں کے لئے اس کی بخشائشوں کا انتظار کریں؟“ (۱)

ان کی تفسیر ترجمان القرآن اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ انہوں نے اسلام کو عام انسانیت کے لئے سودمند ضابطہ زندگی ثابت کیا ہے، انہوں نے مذہبی نزاع، فساد کو بنیادی طور پر غلط قرار دیا ہے، ان کے نزدیک مذہب انسانوں کو انسانیت سے بہرہ ور کرنے اور بندوں کو خدا سے ملانے کا نام ہے، یہ گمراہوں کو راہ راست پر لاتا ہے اور راہ راست پر چلنے والوں کو منزل مقصود پر پہنچاتا ہے۔

مولانا آزاد کے یہاں کردار سازی کے لئے ایک اہم عنصر اتحاد ہے، قوموں کی زندگی سے اتحاد کا فقدان اس کی تباہی کا پیش خیمہ ہے، اس کے بغیر انسان خود فراموشی اور خدا فراموشی دونوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، خود کہتے ہیں:

”انسان کی یہ سب سے بڑی ضلالت اور خدا فراموشی تھی کہ اس نے رشتہ خلقت کی وحدت کو بھلا کر زمین کے ٹکڑوں اور خاندان کی تفریقوں پر رشتے قائم کر لیے تھے، خدا کی زمین کو جو محبت اور باہمی اتحاد کے لئے تھی، قوموں کے باہمی اختلافات و نزاعات کا گھر بنا دیا تھا، لیکن اسلام دنیا میں پہلی آواز ہے جس نے انسان کی بنائی ہوئی تفریقات پر نہیں بلکہ الہی تعبد کی وحدت پر ایک عالمگیر اخوت و اتحاد کی دعوت دی اور کہا کہ: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾. (الحجرات: ۱۳)

(اے لوگو! ہم نے دنیا میں تمہاری خلقت کا وسیلہ مرد اور عورت کا اتحاد رکھا اور نسلوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا، اس لئے کہ باہم پہچانے جاؤ، ورنہ دراصل یہ تفریق اور انشعاب کوئی ذریعہ امتیاز نہیں اور امتیاز اور شرف اسی کے لئے ہے جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ متقی ہے۔)

پس درحقیقت اسلام کے نزدیک وطن و مقام اور رنگ و زبان کی تفریق (۱) کوئی چیز نہیں، رنگ اور زبان کی تفریق کو وہ ایک الہی نشان ضرور تسلیم کرتا ہے۔ (۲)

مولانا آزاد کے یہاں انسانی زندگی میں عزم و ارادہ کی بڑی اہمیت تھی، یہی وہ چیز ہے جو انسان کی زندگی میں حوصلہ اور استقلال پیدا کرتی ہے، کامیابی ان ہی افراد کے قدم چومتی ہے جو ان خوبیوں کے مالک ہوتے ہیں۔

”اس بزم سود و زیاں میں کامرانی کا جام کبھی کوتاہ دستوں کے لئے نہیں بھرا گیا، وہ ہمیشہ انہیں کے حصے میں آیا جو خود بڑھ کر اٹھا لینے کی جرأت رکھتے تھے، شاد و عظیم آبادی مرحوم نے ایک شعر کیا خوب کہا تھا۔

یہ بزم مے ہے، یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں، مینا اسی کا ہے

(۱) ترجمان القرآن، ج ۱، ص ۱۸۴، ساہتیہ اکادمی، ۱۹۸۹ء۔

(۲) خطبات آزاد، ابوالکلام آزاد، مرتبہ مالک رام، ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی ۱۹۸۵ء، ص ۱۵-۱۶۔

مولانا آزاد ”چڑیا چرنے کی کہانی“ میں تمام عالم انسانیت کو حرکت و عمل کا پیغام دیتے ہیں، خود شناسی اور ذاتی شناخت کے بغیر انسان نہ خود کو پہچان سکتا ہے اور نہ اپنے خالق کو، خود شناسی کے فطری تقاضوں کو انسانیت حتیٰ کہ ہر جاندار کے ساتھ منسوب کرتے ہیں اور چڑیا کے بچے کے لئے بھی خود شناسی کا تقاضہ اتنا ہی ضروری سمجھتے ہیں جتنا انسانوں کے لئے، من عرف نفسه فقد عرف ربه کی اہمیت آزاد کے اس قول سے واضح ہوتی ہے:

”انسان کے اندر خود شناسی بھی جب تک سوئی رہتی ہے، باہر کا کوئی ہنگامہ سعی اسے بیدار نہیں کر سکتا، لیکن جو نہی اس کے اندر کا عرفان جاگ اٹھا، اور اسے معلوم ہو گیا کہ اس کی چھپی ہوئی حقیقت کیا ہے، تو پھر چشمِ زدن کے اندر سارا انقلاب حال انجام پا جاتا ہے، اور ایک جست میں حسیض خاک سے اڑ کر رفعتِ افلاک تک پہنچ جاتا ہے۔“

مولانا آزاد نے انسانی زندگی میں ایک بلند تر نصب العین کی موجودگی پر زور دیا ہے، نصب العین کی بلندی انسان کو ہمیشہ سیدھے راستے پر چلنے کو مجبور کرتی ہے، مقصد کا تعین ہی انسانی زندگی کو حرکت و فعالیت کی طرف لے جاتا ہے، نصب العین اسلام کے نزدیک ایک ایسی ہستی کی رضا و خوشنودی ہے جو نہ صرف انسانوں بلکہ پوری کائنات سے بھی بلند تر ہے، مولانا کے نزدیک ”بلندی کا یہ نصب العین خدا کی ہستی کے تصور کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ اگر یہ بلندی اس کے سامنے سے ہٹ جائے، تو پھر اسے نیچے کی طرف دیکھنے کے لئے جھکنا پڑے گا، اور جو نہی اس نے نیچے کی طرف دیکھا انسانیت کی بلندی پستی میں گرنے لگی۔“ (۵)

یہ حقیقت ہے کہ آزاد نے اپنے تمام افکار و خیالات کا اظہار قرآن و حدیث کی روشنی میں کیا ہے، لیکن اس کی تعبیر جدید پیرائے میں کی ہے، ان کی تحریروں میں زندگی کا ہر شعبہ، ہر مسئلہ، ہر عمل اور ہر علم جدید سے جدید تر پیرائے میں دیکھنے کو ملتا ہے، آزاد چاہتے تھے کہ وہ مسلمانوں میں حرکت و عمل کا جوش اور بیداری پیدا کر دیں جو ان کی زندگی کو تبدیل کر کے کامیابی کی راہ پر لگا دے۔ وہ کہتے ہیں کہ ”محض انجمنوں کا قائم کرنا، ممبری کے نام سے ایک گروہ جمع کر لینا اور صرف روپے کی کسی بڑی مقدار کی فراہمی پر بھروسہ کر لینا غفلت کے بعد دوسری غفلت ہے جو تمہیں بسترِ ضلالت پر ڈال دے گی اور آخری وقت عمل ہاتھ سے نکل جائے گا، ایک ہی وسیلہ فوز و فتح، اے دنیا میں میں تبدیلی چاہنے والو یہ ہے کہ اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو۔“ (۶)

حزب اللہ کے قیام کی آرزو صرف اس وجہ سے تھی کہ ”اس میں ایسے لوگوں کو شامل کریں جو ہر جگہ پہنچ کر قرآن کریم کا درس دیں، حدیث نبوی کی تعلیمات بیان کریں، عام دینی مسائل سے لوگوں کو باخبر کریں، تعلیم یافتہ طبقہ کے مذہبی شکوک اور لٹرانہ خیالات کی اصلاح کریں، عام مجلسوں، انجمنوں اور مسجدوں میں ایک واعظ کی طرح جائیں، لوگوں کو اللہ کی طرف بلائیں، مساجد کی جماعت و جمعہ کا صحیح و شرعی انتظام کرنا اور اسلام سے ہر طرح کے فوائد و نتائج حاصل کرنا ان کا بہت بڑا کام ہوگا۔“ (۷)

اس کے قبل کہ مولانا کی یہ خواہش پوری ہوتی ”الہلال“ برطانوی حکومت کی زد میں آ گیا اور بند کر دیا گیا۔

مسلمانوں اور اہل وطن کے ساتھ ساتھ مولانا آزاد علماء کی بھی اصلاح چاہتے تھے، انہوں نے ایسے علماء پر سخت ناراضگی کا اظہار

(۳) غبارِ خاطر، مولانا ابوالکلام آزاد، مرتبہ مالک رام، ساہتیہ اکادمی، ۱۹۹۱ء، ص ۲۱۷-۲۱۸۔

(۴) غبارِ خاطر، مولانا ابوالکلام آزاد، مرتبہ مالک رام، ساہتیہ اکادمی، ۱۹۹۱ء، ص ۲۳۳۔

(۵) غبارِ خاطر، مولانا ابوالکلام آزاد، مرتبہ مالک رام، ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی ۱۹۹۱ء، ص ۱۱۶۔

(۶) الہلال، ابوالکلام آزاد، ۱۲ مئی ۱۹۱۳ء، ص ۵۔

(۷) الہلال ۸ جولائی ۱۹۱۴ء۔

کیا ہے جو اپنے فرض اور مقام سے غافل ہو گئے تھے، آزاد نے علماء سو کی جن برائیوں کی نشان دہی کی ہے ان میں تقلید، بدعت، افراط و تفریط، تاویل باطل، حب دنیا وغیرہ برائیوں کا خاص طور سے ذکر کیا ہے اور ان کی بھرپور مذمت کی ہے۔ مولانا نے اپنے گھر میں علماء کا عمل دیکھا تھا، ملک کے دوسرے علاقوں کے علماء کا فکر و عمل بھی ان کے سامنے تھا، انہیں ندوۃ العلماء میں رہنے اور وہاں کے حالات کے مشاہدے کا موقع بھی ملا تھا، مولانا کی روشن خیالی، طبیعت کی جدت، تقلید سے انحراف اور اجتہاد سے رغبت رکھنے والا مزاج ہمیشہ یہ چاہتا تھا کہ طبقہ علماء اپنے موجودہ حالات پر از سر نو نظر ڈالے، نئے تقاضوں کو جاننے اور اسلام کی دعوت کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے کچھ ایسے طریقے اختیار کرے جو زیادہ لائق فہم پسندیدہ اور قابل قبول ہو، تب ہی وہ بحسن و خوبی اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔

مولانا آزاد نے جنگ و جہاد کے قرآنی مقامات کی تشریح میں اسلام کی دعوت امن کو جس موثر پیرائے میں تعارف کرایا ہے، وہ ان ہی کا خاصہ ہے۔ مولانا کی صحافت اپنے زمانے کی جدید ترین روشن خیال اور پیش بینی کی صحافت تھی، وہ اپنی صحافت کے ذریعہ قومی بیداری کے خواہاں تھے، غفلتوں، کوتاہیوں اور مایوسیوں میں حوصلوں کو بیدار کرنا چاہتے تھے، چنانچہ الہلال کا مقصد ہی یہ بتایا ہے کہ دین کی روشنی میں انسانوں کی کردار سازی کی جائے۔

”الہلال بھی ایک دعوت ہے جس کے تمام اغراض و مقاصد اور اصول و فروغ کا نقطہ وحید صرف اس دین الہی کی دعوت کی تجدید اور اس کے اصول بنیادی الامر بالمعروف والنہی عن المنکر کو زندہ کرنا ہے۔

کیا نہیں دیکھتے ہو کہ خدا تعالیٰ نے جہاں امر بالمعروف کا ذکر کیا ہے وہاں ساتھ ہی ایمان باللہ کا بھی نام لیا ہے، ﴿کنتم خیر أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنکر وتؤمنون بالله﴾۔

(تم تمام امتوں میں بہتر امت ہو کہ نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔)

یہ اس لئے کہ امر بالمعروف کا فرض بغیر کامل ایمان باللہ کے ادا نہیں ہو سکتا، ایک انسان جو ہوائے نفس میں گرفتار، درہم و دینار کو پوجتا ہے، لذت نفس اور عیش دنیوی کو اپنا قبلہ بنا لیتا ہے اور دنیوی رسوم و عزت کو اپنا معمول سمجھتا ہے، ممکن نہیں کہ اپنے اندر نیکی کے حکم اور بدی کی روک تھام کی طاقت پاسکے، وہ مشرک ہے، گویا بان سے دعویٰ ایمان کرتا ہو مگر ایمان کی حلاوت کبھی اس کو چکھنا بھی نصیب نہیں ہوتی۔“ (۸)

انہوں نے قرآن کریم ہی کی روشنی میں ”الہلال“ میں مسلسل مذہبی مضامین لکھے، انہوں نے مسلمانوں کو انتہائی موثر اور دلچسپ انداز میں تلقین کی کہ نیکی کے سامنے جس قدر عاجز ہوتا ہے بدی کے آگے سخت ہو، مولانا کے معاصروں میں قدیم و جدید طبقہ دونوں نے اعتراف کیا کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے قرآن کے ذریعہ سب سے نئی راہیں دکھائیں، اپنے افکار و خیالات کے ذریعہ ملک و قوم کی جو خدمت انجام دیں وہ قومی تاریخ کا ایک روشن باب ہیں، جنگ آزادی، قومی اتحاد، وطن پرستی، انسان دوستی اور ملکی تعمیر و ترقی میں جو رول ادا کیا اس کی مثال مشکل ہی سے کہیں اور ملے۔

آزاد کا اسلوب دوسرے مذہبی علماء کے اسلوب سے مختلف ہے، پیرایہ بیان علامتی ہے، وہ تشبیہات اور استعاروں کا کثرت سے استعمال کرتے ہیں، جس کے اندر کردار سازی اور انسان دوستی کے عناصر پوشیدہ رہتے ہیں۔

☆☆☆

شہادت حسینؑ ایک تحقیقی جائزہ

(قسط: ۱)

تحریر: أبو عبد اللہ الذہبی

ترجمہ: عبد الغفار سلفی

إن الحمد لله والصلوة والسلام على رسول الله ، أما بعد:

یوم عاشوراء روافض کے لئے عام دنوں کی طرح نہیں ہے، چوں کہ یہ دن امام حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا دن ہے اس لئے روافض اس دن ماتم مناتے ہیں اور تمام قسم کی بدعات و خرافات اور جاہلیت کے امور انجام دیتے ہیں۔

چوں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ابھی تک بہت سے لوگوں کے لئے اپنی صحیح شکل میں واضح نہیں ہوئی ہے جیسا کہ ڈاکٹر طارق سویدان حفظہ اللہ نے اپنے سلسلہ کتب ”قصص من التاريخ“ میں اس واقعے کو ذکر کیا ہے۔ انہوں نے اس واقعے کو انتہائی مخ شدة شکل میں ذکر کیا ہے اور اس سلسلے میں زیادہ تر ابو مخنف کذاب کی روایات پر اعتماد کیا ہے، اس لئے میں نے یہ چاہا کہ یہ مضمون جسے میں نے مدتوں پہلے لکھا تھا بہت سارے اضافوں اور تفصیل کے ساتھ حقائق کا صحیح تجزیہ کرتے ہوئے ایک بار پھر تحریر کروں۔ شاید کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ حق قبول کرنے کے لئے سینوں کو کھول دے۔ البتہ طوالت کے لئے میں معذرت خواہ ہوں۔

یزید بن معاویہ کے ساتھ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مخالفت مسلمانوں کی تاریخ میں ایک انتہائی خطرناک موڑ کی حیثیت رکھتی ہے، اس واقعہ کے نتیجے میں بہت ساری چیزیں رونما ہوئیں اور اس واقعے کا براہ راست اثر صرف اسی وقت کے مسلم معاشرے پر نہیں پڑا بلکہ آج تک وہ اثر قائم ہے۔ اس واقعہ میں خطرناک پہلو یہ ہے کہ ایک فرقہ جو صرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی محبت اور موالات کا مدعی ہے وہ نہ صرف راہ حق سے منحرف ہوا بلکہ اسی کے سبب امت کی تکفیر کی بلکہ یہ گروہ اس واقعے کو اہل سنت کے خلاف شیعہ جذبات کو مشتعل کرنے کا سامان بنایا ہے گویا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ حادثہ پیش آیا اس کے سبب یہی لوگ (اہل سنت) ہیں۔

دراصل یزید بن معاویہ کی بیعت کے سلسلے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا موقف مخالفانہ تھا اور اس موقف میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ تھے۔ حالاں کہ ان دونوں نے بیعت نہ کرنے کی کوئی صاف وجہ نہیں بیان کی تھی۔ میرا مطلب ہے کہ ان دونوں حضرات نے یزید کو اس کی سیرت کے بارے میں متہم نہیں کیا تھا، نہ ہی اس کو خلافت کا اہل نہ ہونے کا طعنہ دیا تھا، تو اصل سبب جو رہ جاتا ہے وہ ہے نظام شوری کی خلاف ورزی کیوں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ وجہ صاف بیان کر دی تھی کہ بیعت لینے کا یہ طریقہ خلفاء راشدین کی بیعت سے میل نہیں کھاتا۔ ۱۔ حالاں کہ عملی طور پر ابن عمرؓ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے وفات پاتے ہی اپنی بیعت براہ راست بھیج دی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت حسین بن علیؑ کا اس قدر سختی سے انکار بیعت اس وجہ سے تھا کہ ان کی دانشت میں دوسروں کے مقابلے میں خلافت کے زیادہ حقدار وہی تھے اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد خلافت انہیں کو ملے گی۔ ان کے اس رجحان کا سبب ایک تو یہ تھا کہ مسلمانوں کے دلوں میں حضرت حسینؑ کا ایک خاص مقام تھا، دوسرے کو فہ وغیرہ میں اپنے حامیوں کی ایک بڑی تعداد کی وجہ سے بھی انہیں اطمینان حاصل تھا۔ لہذا اگر حضرت حسینؑ نے بیعت یزید کے سلسلے میں مخالفانہ موقف اختیار کیا اور پوری قوت سے اس کی تردید کی تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ اسی لئے امام ذہبیؒ کتاب السیر میں فرماتے ہیں: ”جب حضرت معاویہؓ نے

۱۔ تاریخ ابوزرعا/ ۲۲۹، تاریخ خلیفہ ص ۲۱۴ صحیح سند سے

یزید کو ولی عہد بنایا تو حضرت حسینؑ گورج ہوا۔ ۲۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے وفات پا جانے کے بعد جب شام میں یزید کی بیعت لے لی گئی تو یزید نے والی مدینہ ولید بن عتبہ بن ابوسفیان کو لکھا کہ وہ لوگوں کو بیعت کی دعوت دیں اور ابتداء سردارانِ قریش سے کریں۔ ۳۔ ولید بن عتبہ نے مروان بن حکم سے مشورہ کیا۔ انہوں نے حضرت حسینؑ اور ابن زبیرؓ کو بیعت کے لئے بلوانے کی رائے دی۔ خلیفہ اپنی تاریخ میں رقمطراز ہیں: ”ابن زبیرؓ نے ولید کے پاس آکر بیعت سے انکار کر دیا اور یہ عذر ظاہر کیا کہ ان کا معاشرتی رہن سہن اس بات کا متقاضی ہے کہ وہ علانیہ طور پر سب کے سامنے بیعت کریں۔ ساتھ ہی انہوں نے یہ گزارش کی کہ ان شاء اللہ اگلے روزہ مسجد میں وہ بیعت کریں گے۔ اس کے بعد ولید نے حضرت حسینؑ کو طلب کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ولید نے حضرت حسینؑ سے بیعت یزید کے موضوع پر بحث کرنے کی کوشش کی۔ حضرت حسینؑ اسی وقت ولید کی مجلس سے اٹھ کر چلے آئے اور پھر رات کی تاریکی میں حضرت حسینؑ اور ابن زبیرؓ دونوں حضرات اپنے اپنے طور پر الگ الگ مکہ کا قصد کرتے ہوئے نکل پڑے۔ ۴۔ خلیفہ کی یہ روایت میری نظر میں صحت کے زیادہ قریب ہے، کیوں کہ اس میں واقعات کا تسلسل تو ہے ہی خود روایت جن سے منقول ہے یعنی جویریہ بن اسماء وہ مدنی ہیں۔

مکہ کے راستہ میں حضرت حسینؑ اور ابن زبیرؓ کی ملاقات ابن عمرؓ اور عبداللہ بن عیاشؓ سے ہوئی۔ یہ دونوں حضرات عمرہ کر کے لوٹے تھے اور مدینہ جا رہے تھے۔ ابن عمرؓ نے دونوں بزرگوں سے کہا کہ میں تم دونوں کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ لوٹ جاؤ اور لوگ جو راہ اختیار کریں اس میں سے بہتر راستہ منتخب کرو۔ اگر لوگ بیعت یزید پر متفق ہو جائیں تو شذوذ اختیار نہ کرو اور اگر لوگ اس سلسلے میں مختلف ہوں تو تمہاری خواہش کے مطابق ہی ہوگا۔ ۵۔ طبری نے اس سلسلے میں ذکر کیا ہے کہ جو دو لوگ راستے میں ملے تھے وہ ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ تھے۔ شاید یہ ”عیاش“ میں تحریف واقع ہوئی ہے، کیوں کہ صحیح قول کے مطابق ابن عباسؓ اس وقت مکہ میں موجود تھے۔

چنانچہ جب کوفہ کے شیعوں کو حضرت معاویہؓ کی موت کا علم ہوا اور یہ چلا کہ حضرت حسینؑ مکہ نکل پڑے ہیں اور انہوں نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا ہے تو وہ سب حضرت حسینؑ کی حمایت پر متفق ہو گئے اور پھر ان کو خط لکھا۔ چنانچہ جب حضرت حسینؑ مکہ میں تھے تو ان کے پاس کوفیوں کے متعدد خطوط پہنچے۔ سارے خطوط میں آنجنابؑ کے کوفہ آنے اور بیعت لینے کی بات لکھی تھی۔ ان حالات میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت حسینؑ نے کوفہ کی طرف روانگی کا ارادہ بھی کیا جب کوئی قاصدین ان کے پاس پہنچے، وہ انہیں کوفہ آنے کی دعوت دے رہے تھے اور اس بات کا اظہار کر رہے تھے کہ وہ سب ان کی اطاعت میں دل و جان سے حاضر ہیں۔ حضرت حسینؑ نے ان باتوں کی تصدیق کے لئے اپنے عم زاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا تاکہ وہ اہل کوفہ کے معاملے کو دیکھ کر بذات خود حقائق سے باخبر کریں۔ ۶۔ حضرت مسلم بن عقیل کوفہ پہنچے اور وہاں کے حالات سے واقف ہو جانے کے بعد حضرت حسینؑ کو خط لکھا کہ آپ کوفہ آجائیں۔ یہاں کے حالات آپ کے لئے سازگار ہیں۔

۲۔ السیر ۲۹۱/۳

۳۔ دیکھئے ابن سعد نے طبقات ۵/۳۵۹ میں عمدہ سند سے نقل کیا ہے اور تاریخ خلیفہ ص: ۲۳۳ اس سند میں محمد بن زبیرؓ حنفی ہیں جو متروک ہیں۔

۴۔ تاریخ خلیفہ ص: ۲۳۳

۵۔ ابن سعد کی طبقات ۵/۳۶۰، مزید تہذیب الکمال ۶/۴۱۶ میں ابن سعد کے ہی طریق سے روایت کرتے ہیں۔ نیز طبری ۵/۳۴۳

۶۔ دیکھئے، تاریخ طبری ۵/۳۵۴ اور بلاذری، انساب الاشراف ۱۵۹

ادھر صحابہ اور تابعین مسلسل حضرت حسینؑ کو یہی نصیحت کرتے رہے کہ وہ کوفہ کی جانب اقدام نہ کریں۔ ان ناصحین میں ان کے بھائی محمد بن حنفیہؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، ابوسعید خدریؓ، جابر بن عبد اللہؓ اور دیگر بہت سارے حضرات شامل تھے۔ یہ سب انہیں اقدام کوفہ سے روک رہے تھے، لیکن اقدام کوفہ کے سلسلے میں حضرت حسینؓ کے موقف پر ان قیمتی نصائح کا قطعاً اثر نہ ہوا بلکہ انہوں نے کوفہ روانگی کا پختہ ارادہ کر لیا اور مدینہ سے بنی عبد المطلب میں سے اپنے بھائیوں، بیٹوں اور بیویوں کو بلوا بھیجا جو کل ۱۹ لوگ تھے اور ان میں مرد، عورتیں اور بچے سب شامل تھے۔ حضرت محمد بن حنفیہؓ ان کے پیچھے پیچھے گئے اور مکہ سے نکلنے سے قبل ہی حضرت حسینؑ کو جالیا۔ انہوں نے حضرت حسینؑ کو ان کے اقدام کے ارادے سے ایک بار پھر باز رکھنے کی کوشش کی، لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔

حضرت ابن عباسؓ نے بھی آکر حضرت حسینؑ کو نصیحت کی لیکن اقدام کوفہ کے موقف پر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ حضرت ابن عباسؓ نے ان سے کہا کہ اگر میرے اور آپ کے لئے یہ چیز معیوب نہ ہوتی تو آپ کا سر پکڑ کر بیٹھ جاتا (اور آپ کو کوفہ نہ جانے دیتا) حضرت حسینؓ نے جواب دیا ”میں فلاں مقام پر قتل کر دیا جاؤں یہ بات مجھے زیادہ محبوب ہے اس سے کہ کعبہ کی حرمت پامال کی جائے“۔ حضرت ابن عباسؓ بعد میں کہا کرتے تھے کہ یہی وہ بات تھی جس نے حضرت حسینؓ کے سلسلے میں میرے نفس کو تسلی بخشی تھی۔ کیوں کہ حضرت ابن عباسؓ لوگوں میں سب سے زیادہ حرم کی تعظیم کرنے والے تھے۔

صحیح بات یہ ہے کہ ابن زبیرؓ کا موقف بھی اس سلسلے میں وہی تھا جو دیگر اکابر صحابہ کا تھا کہ حضرت حسینؓ اقدام کوفہ نہ کریں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ابن ابی شیبہؓ نے حسن سند سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ مکہ میں حضرت حسین بن علیؓ سے ملے اور کہا کہ ابو عبد اللہ! مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ عراق کا قصد کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا جی ہاں! ابن زبیرؓ نے فرمایا آپ ایسا نہ کیجئے۔ یہ لوگ (اہل عراق) آپ کے باپ کے قاتل ہیں۔ آپ کے بھائی کے اوپر بھی ان لوگوں نے حملہ کیا تھا اور اگر آپ وہاں گئے تو آپ کو بھی یہ لوگ قتل کر دیں گے۔ (مصنف: ۴/۷۷)

حضرت ابن عمرؓ کو جب حسینؓ کے اقدام کی اطلاع ملی تو انہوں نے مدینہ سے تین مراحل کے بعد حضرت حسینؓ کو جالیا اور ان سے دریافت کیا کہ کہاں کا قصد ہے؟ انہوں نے عرض کیا عراق کا۔ پھر حضرت حسینؓ نے کوفیوں کے خطوط نکال کر انہیں دکھاتے ہوئے کہا! دیکھئے یہ ہیں ان کے خطوط اور بیعت۔ ابن عمرؓ نے انہیں اللہ کا واسطہ دے کر لوٹ جانے کو کہا لیکن حضرت حسینؓ نہیں مانے۔ پھر ابن عمرؓ نے کہا میں آپ کو ایک ایسی حدیث سنانے جا رہا ہوں جسے آپ سے پہلے کسی کو نہیں سنایا۔ وہ حدیث یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی ﷺ کے پاس آئے، وہ آپ کو دنیا اور آخرت کے درمیان اختیار دے رہے تھے، چنانچہ آپ نے آخرت کو منتخب کیا، اور (اے حسین!) آپ نبی ﷺ ہی کے جگر گوشہ ہیں۔ اللہ کی قسم! آپ ﷺ کے اہل بیت میں سے بھی کسی نے دنیا کو اختیار نہیں کیا اور اللہ نے دنیا کو آپ لوگوں سے پھیر رکھا ہے تو اس میں آپ سب کے لئے خیر ہی ہے، لہذا آپ لوٹ جائیں، آپ اچھی طرح واقف ہیں کہ اہل عراق کس قدر غدار ہیں اور آپ کے والد کے ساتھ ان لوگوں نے کیا کیا تھا مگر حضرت حسینؓ پھر بھی نہیں مانے۔ بالآخر ابن عمرؓ ان کے گلے لگ کر بولے ”میں آپ کو مقتول کی حیثیت سے اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔“ (ابن سعد طبقات: ۵/۳۶۶، ابن حبان: ۵۸/۹، کشف الاستار: ۳/۲۳۲، ۲۳۳۔ سند کے راوی ثقہ ہیں)

لیکن ان ساری نصیحتوں اور آگاہیوں کا حضرت حسینؓ کے اقدام کوفہ کے عزم و ارادے پر ذرہ برابر اثر نہ ہوا۔

یہ دیکھئے ابن سعد، طبقات: ۵/۲۶۶، ۲۶۷ (دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ: ۵/۹۶-۹۷ صحیح سند سے، طبرانی معجم کبیر: ۹/۱۹۳، امام بیہقی مجمع الزوائد: ۹/۱۹۲ میں فرماتے ہیں کہ اس کے رجال صحیح ہیں۔ ذہبی نے سیر: ۲/۲۹۲ میں اور دوسروں نے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔)

یہاں ایک تلخ سوال ابھرتا ہے کہ کیوں کرا کا برصاحب کی اتنی بڑی تعداد، اکابر تالبعین اور خود حضرت حسینؑ کے قرابت دار ایک ہی رائے پر متفق ہو گئے، یعنی حضرت حسینؑ کے اقدام کا خوف نیز اس اقدام کا نتیجہ گویا پہلے ہی معلوم تھا، اور پھر اس کے بالمقابل حضرت حسینؑ اپنے موقف پر کیونکر اٹل رہے اور کبار صحابہ و تابعین کی نصیحتوں کو ترک کر دیا؟

اس سوال کا جواب دو اسباب میں مخفی ہے:

- ۱- پہلی بات تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی تھی جو اس نے مقدر کر دیا تھا وہ ہو کر رہنے والا تھا۔ اگر سارے کے سارے لوگ بھی اس کے مخالف ہو جاتے پھر بھی اللہ اس کو نافذ کر کے رہتا۔ اس کے حکم اور فیصلے کو کوئی ٹالنے والا نہیں۔
- ۲- دوسری چیز وہ حقیقی سبب ہے جو پہلی چیز کا سبب بنا، اور وہ یہ ہے کہ حضرت حسینؑ کو اس بات کا احساس ہو چکا تھا کہ یزید بن معاویہ اس پر ہرگز راضی نہ ہوں گے کہ ان (حسینؑ) کے لئے کسی قسم کے تصرف کی آزادی ہو اور نہ بیعت سے کم پر وہ راضی ہوں گے اور جو کچھ ہو گیا اس سے زیادہ یزید گوارہ نہیں کر سکتے۔

چنانچہ مسلسل کوفہ سے خطوط کا آنا نیز وہاں سے بڑے پیمانہ پر دعوت ملنا، ان سب چیزوں نے حضرت حسینؑ کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ ان کا گذار مکہ کے اندر تنگی کے ساتھ ہوگا، اس لئے کہ وہ خلیفہ کی بیعت بھی نہیں کر رہے تھے اور نہ اپنا کوئی صاف نقطہ نظر ہی بیان کر پارہے تھے۔ پھر حضرت حسینؑ کو یہ خوف بھی تھا کہ ان کے اور مکہ کے امویوں کے درمیان کسی قسم کی کوئی چپقلش نہ ہو جائے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ جلد از جلد مکہ سے کوچ کر جانے کے بارے میں سوچنے لگے اور ابن عباسؓ کو بھی انہوں نے یہی بتانے کی کوشش کی تھی۔ رہ گیا ان کا کوفہ کی طرف جلد روانگی کا معاملہ تو شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے ابن عم (مسلم بن عقیلؓ) نے ان کو کوفہ کے حالات بالکل واضح طور پر لکھ بھیجے تھے اور یہ بھی بتلادیا کہ پورا کوفہ ان کی بیعت کر چکا ہے۔

میری نظر میں مسلم بن عقیلؓ اور حضرت حسینؑ دونوں سیاسی امور سے بہت زیادہ واقفیت نہیں رکھتے تھے۔ مسلم بن عقیلؓ نے ان ہزاروں لوگوں پر بھروسہ کر لیا جنہوں نے (ان کے ہاتھ پر) حضرت حسینؑ کی بیعت کی تھی اور یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ لوگ مخلص اور وفادار ثابت ہوں گے۔ ان کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ان لوگوں کے دلوں میں کوئی اور ہی جذبہ پنہاں ہے، حالاں کہ مسلم بن عقیلؓ کو چاہئے تھا کہ پہلے حالات کا جائزہ لیتے اور دیکھتے کہ واقعی ماحول ان کے حق میں ہے یا نہیں۔ لیکن ان کا پہلے ہی وہلہ میں حضرت حسینؑ کو خط لکھ دینا اور اس وہم میں مبتلا کر دینا کہ حالات ان کے لئے سازگار ہیں، مسلم بن عقیلؓ کی بہت بڑی غلطی ثابت ہوئی۔ اس پر طرہ یہ کہ حضرت حسینؑ نے بھی مسلمؓ پر بھروسہ کر کے اس بات کو سچ جان لیا کہ بس ان کے جاتے ہی (اہل) کوفہ ان کے ساتھ کھڑے ہو جائیں گے اور یہ بات یکسر فراموش کر بیٹھے کہ یہ کوفہ ہی تھا کہ جہاں (کے باشندوں) سے ان کے والد کو سخت قسم کی ذلت اور نافرمانی کا سامنا کرنا پڑا اور پھر بالآخر ان لوگوں نے ان کو دھوکہ دے (کر قتل کر) دیا۔ نیز ان کے بھائی حضرت حسنؓ کو بھی اہل کوفہ کی غداری اور مکر و فریب سے سابقہ پڑا تھا۔ وہ حسنؓ کو بستر موت پر بھی اہل کوفہ سے بچنے کی تلقین کرتے رہے تھے۔ پھر جن لوگوں نے حضرت حسینؑ کو نصیحت کی تھی ان کے اندر سیاسی سوچ بوجھ زیادہ تھی اور ان سبھی حضرات نے حضرت حسینؑ کو متنبہ کیا تھا اور بعد میں پیش آنے والے حالات کے بارے میں اندیشہ ظاہر کیا تھا، اور یہ ناممکن تھا کہ یہ سارے کے سارے کبار صحابہ و تابعین تو غلطی پر ہوں اور اکیلا فرد واحد حق پر ہو خاص طور سے ان حالات میں جب کہ ہمیں معلوم ہے کہ ناصحین کون تھے، لیکن یہ اللہ کا مقدر کیا ہوا تھا۔ جو ہونا تھا وہ ہو کر رہا اور حضرت حسینؑ میدانِ کربلا میں قتل کر دئے گئے۔ ☆☆☆ (جاری)

سرزمین دوا بہ میں وہابی تحریک کی سرگرمیاں سید احمد بریلوی شہید: حیات اور کارنامے

(قسط: ۴)

صدیق احمد نفیس احمد
فاضل جامعہ سلفیہ، بنارس

کچھ خاندان کے بارے میں:

سید احمد بریلویؒ جس عظیم المرتبت خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں وہ علم و عمل، زہد و ورع میں کس قدر ممتاز تھا، اس کے بارے میں اس خاندان کے فرزند ارجمند سید صاحب خود اپنے ایک مکتوب میں روشنی ڈالتے ہیں۔

”یہ خاکسار سادات عظام کے خاندان سے ہے اس مسکین کے اسلاف کرام صدیوں سے بلاد ہند میں ارشاد و تلقین کی مسندوں پر متمکن رہے ہیں انہوں نے اپنی عمر میں رب العالمین کے احکام اطاعت اور حضرت سید المرسلین کے اوامر کی پیروی میں بسر کر دیں جو لوگ ان سے استفادہ کی غرض لے کر آئے ان کے دامن فیض کی دولت سے بھرے، چنانچہ اس ضعیف کے ممتاز بزرگوں میں سے بارگاہ الہی کے مقرب سید علم اللہ سید آدم نبوری کے خلفاء کبار میں سے تھے وہ سنت محمدیہ کے احیاء اور طریق محمدیہ کے اشاعت میں اپنے عہد کے تمام بزرگوں سے آگے تھے۔“^۱

محترم غلام رسول مہر قنبرا نے ہیں: ”یہ حقیقت ہے صرف شاہ علم اللہ سے سید احمد شہید تک چار پشتوں میں بیسوں افراد ہوئے ہیں، جن کے مآثر بہ زبان حال اس کے مصدق ہیں جہاد و غزوہ، زہد و ورع، جود و سخا، ریاضت و صفا، صبر و توکل، فقر و مسکنت یا دوسرے انسانی فضائل و محاسن کا کون سا گوشہ ہے جس میں اس خاندان عالیہ کے افراد کا جمگھٹا نظر نہیں آتا۔“^۲

مدینہ سے رائے بریلی تک:

سید صاحب کا سلسلہ نسب خلیفہ چہارم حضرت علیؑ سے ملتا ہے۔ مدینہ سے رائے بریلی تک کا سفر اس خاندان میں کئی صدیوں میں طے کیا سب سے پہلے شیخ الاسلام سید رشید الدین (شجرے میں ۲۱) مدینہ منورہ کو خیر آباد کہہ کر بغداد میں آئے، پھر ان کے فرزند شیخ الاسلام قطب الدین محمد احسنی بغداد سے اٹھ کر غزنی پہنچے وہاں کی مدت قیام معلوم نہ ہو سکی، ۶۰۷ھ مطابق ۱۲۱۰ء جب کہ ہندوستان میں اسلامی حکومت کو قائم ہوئے بمشکل ۷۱ یا ۱۸ برس گزرے تھے اپنے اقرباء اور مریدین کی ایک جماعت کے ساتھ ہندوستان میں آپ نے قدم رنج فرمایا۔ بقول مولانا سید ابوالحسن ندوی آپ کے آنے کا مقصد جہاد تھا کیوں کہ بذریعہ خواب آپ نے انہیں تلقین فرمائی تھی۔ دہلی سے پورب کا قصد کیا اور اول قنوج پھر مانک پور اور کڑا پر جو اس زمانے میں ایک مستقل حکومت کا مرکز تھا۔ حملہ کیا، اور اس تمام علاقے کو فتح کر کے اسلامی حکومت میں شامل کیا۔^۳

ایک صدی تک یہ خاندان کڑا میں مقیم رہا۔ آٹھویں صدی ہجری میں اس خاندان کے ایک فرزند قطب الدین ثانی (شجرے میں نمبر ۱۱) کڑے سے جائس (ضلع رائے بریلی) میں جا مقیم ہوئے۔ ۸۷۷ھ میں ان کے پوتے قاضی سید محمود جائس سے نصیر آباد منتقل

^۱ سید احمد شہید ص: ۵۸

^۲ سید احمد شہید ص: ۵۸

^۳ سیرت سید احمد شہید ص: ۸۵ و سید احمد شہید ص: ۳۶

ہو گئے۔ سید محمود صاحب کے صاحبزادے قاضی سید احمد نے اس بناء پر نصیر آباد کو خیر آباد کہہ دیا اور رائے بریلی میں مقیم ہوئے کہ دوران مقدمہ ایک فریق کی زبان سے یہ لفظ نکل گئے تھے کہ ”از جنیں حکم شرع بیزارم“ یہ اس خاندان کی غیرت ایمانی کی ادنیٰ سی مثال تھی۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند سید محمد معظم نے پھر نصیر آباد کا رخ کیا، لیکن سید معظم کے پوتے سید علم اللہ نے دوبارہ رائے بریلی میں سکونت اختیار کی، یہ تقریباً ۱۰۵۰ھ مطابق ۱۶۴۰ء کا زمانہ تھا۔ ۱۔ جس کے بعد اس خاندان کا مستقل مستقر یہی مقام تھا، اور جائے قیام تکیہ علم اللہ کے نام سے معروف ہوئی۔ یہی وہ مبارک خطہ ہے جہاں تیرہویں صدی کا آفتاب پر نور ضلالت کی تیرکی کو چاک کرنے کے لئے نمودار ہوا۔

سلسلہ نسب اور ولادت:

سید احمد رحمہ اللہ کا مختصر نسب نامہ یہ ہے ”سید احمد بن سید محمد عرفان بن سید محمد نور بن سید محمد ہدیٰ بن سید علم اللہ“ ۲۔ آپ کا سلسلہ نسب چھتیویں پشت میں خلیفہ چہارم امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے مذکورہ حوالہ۔ ۳۔

سید صاحب کی ولادت باسعادت شاہ علم اللہ صاحب کے اس دائرے میں ہوئی جواب تکیہ کے نام سے مشہور ہے۔ ۶/صفر ۱۲۰۱ھ کا مبارک دن تھا۔ ۴۔ توارخ عجیبہ میں یکم محرم ۱۲۰۱ھ مرقوم ہے، لیکن محترم غلام رسول مہر مخزن احمدی صفحہ ۱۲ سے ایک اقتباس نقل کرتے ہوئے اس کی تردید کی ہے۔ مخزن احمدی کی فارسی عبارت کا ترجمہ ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ ”ہجرت نبوی ﷺ پر ۱۲ صدیاں گزر چکی تھیں، تیرہویں صدی کا پہلا سال شروع ہو چکا تھا۔ اسی سال سید المجاہدین کی ولادت باسعادت صفر کے مہینے میں قصبہ رائے بریلی میں ہوئی جو سرکار مانک پور اور صوبہ الہ آباد میں شامل تھا۔ ۵۔ اس کی تائید سید صاحب کے والدہ ماجدہ کے اس خواب سے ہوتی ہے جس کو مہر صاحب نے سید صاحب کے بھتیجے سید محمد یعقوب کی والدہ سے نقل کیا ہے، اس میں بصراحت ۶/صفر کا تذکرہ ہے۔ ۶۔

رائے بریلی سے دہلی تک:

چار برس چار مہینہ چار دن کی عمر ہوئی تو آپ کو مکتب میں بٹھایا گیا۔ ۱۰/جمادی الاخریٰ ۱۲۰۵ھ مطابق ۱۰/فروری ۱۷۹۱ء کی تاریخ تھی۔ ۷۔ آپ اپنے خاندان کے بچوں کے بنسبت تعلیم سے زیادہ دلچسپی نہیں رکھتے تھے اس لئے تین چار سال بعد تعلیم سے دست بردار ہو گئے، ابھی آپ نے زندگی کی ۱۷-۱۸ مراحل ہی طے کئے کہ والد محترم کا انتقال ہو گیا اور معاشی تنگ و دو میں مصروف ہو گئے۔ غالباً ۱۲۱۸ھ یا ۱۲۱۹ء میں آپ نے چند رفقاء کے ساتھ روزگار کی تلاش میں لکھنؤ کا سفر کیا۔ یہ آپ کا پہلا سفر تھا۔ رفقاء میں سید صاحب کے بھانجے اور مصنف ”مخزن احمدی“ سید محمد علی بھی تھے۔ ۸۔ وہاں پہونچ کر روزگار کی تلاش میں بہت جدوجہد کیا لیکن کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ چنانچہ آپ تلاش معاش سے بیزار ہو گئے اور آپ کے دل میں حصول تعلیم کی رغبت بڑھی، اور ایک رات دہلی کا

۱۔ سید احمد شہید: ۳۹۔ ۲۔ سید احمد شہید: ۳۳۔ وسیرت سید احمد شہید: ۱۰۹۔

۳۔ سید احمد شہید: ۳۳۔ وسیرت سید احمد شہید: ۱۰۹۔ ۴۔ سید احمد شہید: ۶۰۔ وسیرت سید احمد شہید: ۱۰۹۔

۵۔ سید احمد شہید: ۶۱۔ وسیرت سید احمد شہید: ۱۰۹۔ ۶۔ حوالہ سابقہ ص: ۶۰۔ حاشیہ

۷۔ سید احمد شہید: ۶۰۔ ۸۔ موج کوثر ص: ۱۵۔ حاشیہ

رخ کیا اور سخت صعوبتوں کو برداشت کر کے آپ دہلی پہنچ گئے جہاں شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کے علم و عرفاں کا طوطی بولتا تھا۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے آپ کو اپنے بھائی شاہ عبدالقادر کے پاس اکبر آبادی مسجد بھیج دیا جہاں آپ نے اپنی علمی تشنگی کو بجھایا۔

بیعت و سلوک اور تصور شیخ پر اعتراض:

سید صاحب پہلی بار جب شاہ عبدالعزیزؒ کے خدمت میں پہنچے تو سلام مسنون جسے بے ادبی اور ناشائستگی تصور کیا جاتا ہے اس کا اجرا کیا۔^۱ یہ آپ کی اتباع سنت کا کمال تھا۔ ۱۲۲۲ھ میں سید صاحب نے شاہ عبدالعزیزؒ سے بیعت کی اس وقت ہندوستان میں تصوف کے تین طریقے زیادہ رائج تھے۔ نقشبندیہ قادریہ اور چشتیہ آپ نے تینوں طریقوں میں بیعت کی جب تمام لطائف کی تکمیل کر لی تو شغل برزخ کا حکم ہوا، جس میں صورت شیخ کا تصور کیا جاتا ہے تو آپ اس پر معترض ہو گئے، اور بڑے ادب و احترام سے عرض کیا کہ حضرت اس شغل اور بت پرستی میں کیا فرق ہے؟ مفصل ارشاد ہو تو شاہ صاحب نے جواباً خواجہ حافظ کا یہ شعر پڑھ دیا۔ ع

بہ بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید کہ سالک بے خبر نہ بود زراہ و رسم منزلہا

سید صاحب نے فرمایا شرک کی کسی طرح اہمیت نہیں ہو سکتی ہاں کتاب و سنت و اجماع امت سے کوئی دلیل یا سند لائیں اور اچھی طرح سے اطمینان ہو جائے کہ دونوں ایک چیز نہیں تو خطرہ دور ہو سکتا ہے۔ شاہ صاحب نے یہ سنت ہی سینے سے لگالیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے تم کو ولایت انبیاء عطا فرمائی ہے۔^۲ اس کے بعد آپ نے تعلیمی سلسلہ کو منقطع کر دیا اور وطن واپس ہوئے جہاں آپ نے سید محمد روشن کی صاحبزادی بی بی زہراء سے نکاح کیا۔^۳ آپ کتنے دنوں تک دیار غیر میں رہے اس کے متعلق مختلف بیانات نقل کئے جاتے ہیں، لیکن غلام رسول مہر صاحب تمام بیانات کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میں اس نتیجے پر پہنچا کہ سترہ اٹھارہ برس کہ عمر میں گھر سے روانہ ہوئے۔ ۱۲۱۸ھ یا ۱۲۱۹ھ میں ۷/ مہینے اودھ میں گذار کر دہلی پہنچے پہلے تعلیم حاصل کرتے رہے، پھر بیعت کی ۲۷/ رمضان ۱۲۲۲ھ ۲۸/ نومبر ۱۸۰۷ء کو شب قدر کا واقعہ پیش آیا۔ اغلب ہے کہ ۱۲۲۳ھ کے اوائل میں وطن لوٹے اس طرح چار یا پانچ برس باہر رہے۔^۴

عسکری زندگی کے سات برس:

دو تین برس وطن میں قیام فرمانے کے بعد سید صاحب نے ۱۲۲۶ھ میں دوبارہ رخت سفر باندھا اور ٹونک میں نواب امیر خاں کے لشکر میں شمولیت اختیار کی یہ مشغلہ آپ کے مزاج اور طبیعت کے عین موافق تھا اور آپ کا جذبہ جہاد جو بچپن سے آپ کے دل و دماغ میں موجزن تھا یہاں پروان چڑھ سکتا تھا۔ ویسے تو ٹونک میں آپ کے ورود کے بہت سے مقاصد ذکر کئے جاتے ہیں، لیکن مہر صاحب نے بہت سے دلائل کے ذریعہ ان کی تردید کی ہے، اور لکھتے ہیں کہ مجھے یقین ہے کہ آپ کو وہی جذبہ خدمت دین کشاں کشاں نواب کے لشکر میں لے گیا تھا۔ جس کی بنا پر پرانجام کار انہوں نے بہ خود فدا کاروں کی ایک جماعت مرتب کی اور حیات طیبہ کے گراں بہا اوقات جانبازی و جانفشانی میں صرف کر دیئے۔ یعنی وہ اسلامی حکومت کے احیاء کے خاطر جہاد فی سبیل اللہ کا عزم لے کر امیر خاں کے پاس گئے تھے۔ لیکن حالات نے ایسی صورت اختیار کر لی کہ امید و آرزو پہ چراغ زیادہ دیر تک روشن نہ رہ سکا۔ یہاں تک کہ سید صاحب

۱ سیرت سید احمد شہید ص: ۸۰ و سیرت سید احمد شہید ص: ۱۲۱

۲ سیرت سید احمد شہید ص: ۱۲۰ و سید احمد شہید ص: ۷۶

۳ سیرت سید احمد شہید ص: ۶۸ حاشیہ

۴ سیرت سید احمد شہید ص: ۱۳۰

کونو اب سے الگ ہو کر خالص اسلامی اصول پر ایک جماعت منظم کرنی پڑی۔^۱ جس کی تائید منظورہ کے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے جس زمانے میں حضرت امیر المؤمنین اقامت جہاد کے متعلق غیبی اشاروں کی بنا پر امیر الدولہ نواب امیر خان مرحوم کے لشکر ظفر اثر کی جانب روانہ ہوئے۔^۲

سید صاحب نے نواب امیر خاں ہی کو کیوں ترجیح دی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ چوں کہ امیر خاں آخری دور کے آزاد ہندوستانی امیروں میں سب سے بڑھ کر طاقت ور تھا۔ ایک موقع پر اس کے پاس چالیس ہزار جانباز اور ایک سو پندرہ توپیں تھیں اور بعض مصنفوں نے اس کی لشکر کی تعداد لاکھوں میں بتلائی ہے۔ سید صاحب کی احباء دین اور جہاد فی سبیل اللہ کی آرزو کی تکمیل یہاں سے زیادہ ممکن تھی اس وجہ سے آپ نے یہاں کا قصد کیا۔ اس مدت میں آپ مختلف جنگوں میں شریک ہوئے اور آپ نواب کے مشیر خاص تھے۔ اہم معاملات میں نواب آپ سے مشورہ لیا کرتا تھا۔ لشکریوں میں آپ مستجاب الدعوات سمجھے جاتے تھے۔ سید صاحب دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصیحت بھی فرماتے تھے۔ آپ کسی کے لئے دعا فرماتے تو پہلے اس کو توبہ کی ترغیب دلاتے اور نیکیوں پر اکساتے تھے اس طرح آپ اپنے مقاصد عظمیٰ کی تکمیل کے لئے جنگ و قتال کی عملی مشق اور دعوت اصلاح کے فریضہ کی انجام دہی میں سرگرم رہے لیکن ہندوستان کا یہ خود مختار اور بہادر امیر بھی جب ناعاقبت اندیشی اور طاقت کے زعم میں انگریزوں کی فریب کاری کا شکار ہو گیا، اور انگریزوں نے مختلف ناحیے سے اس کی گھیر بندی کر کے اس کو مصالحت پر مجبور کر دیا۔ سید صاحب نے ہر ممکن اس کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے بالآخر آپ نے شاہ عبدالعزیز کے نام خط بھیجا۔ جس کا مضمون یہ تھا۔ ”خاکسار سراپا انکسار حضرت کی قدم بوسی میں عنقریب حاضر ہوتا ہے، یہاں لشکر کا کارخانہ درہم برہم ہو گیا۔ نواب صاحب فرنگی سے مل گئے اب یہاں رہنے کی کوئی صورت نہیں۔“^۳ آپ کا یہ خط ان لوگوں کی تردید کے لئے کافی ہے۔ جن کا دعوہ ہے کہ سید صاحب انگریزوں سے نہیں سکھوں سے جہاد کرنا چاہتے تھے۔

چنانچہ آپ نے دہلی کا قصد کیا۔ تاریخ مراجعت کے متعلق مہر صاحب لکھتے ہیں ”اغلب ہے وہ مئی یا جون ۱۸۱۸ء میں آئے ہوں۔“^۴ اس طرح ۱۲۲۶ھ تا ۱۲۳۳ء سات سال ٹونک میں آپ نے قیام فرمایا۔ اس جدائی سے نواب اور سید صاحب دونوں کو کافی صدمہ پہونچا۔

ارشاد و ہدایت کا آغاز:

ٹونک سے مراجعت کے بعد آپ نے دہلی میں قیام فرمایا جہاں بیعت و طریقت کا آغاز ہوا۔ سب سے پہلے مولوی محمد یوسف.... جو شاہ ولی اللہ کے بڑے بھائی شاہ اہل اللہ کے پوتے تھے، بیعت کی، پھر مولوی عبدالحی اور شاہ اسمعیل شہید نے بیعت سے سرفرازی حاصل کی۔ مولوی عبدالحی صاحب اپنی بیعت کا واقعہ بڑے دلچسپ انداز میں بیان فرماتے تھے۔ ان کے بعد شاہ اسحق شہید شاہ یعقوب حکیم معیث الدین مولانا وجیہ الدین حافظ معین الدین اور ان کے فرزندوں نے بیعت کی۔^۵ اس کے بعد خاندان ولی اللہ کے اکثر افراد نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کیا، اور آپ کی شہرت میں روز افزوں اضافہ ہوتا گیا۔ دور دور سے آپ کے پاس دعوت

^۱ سید احمد شہید ص: ۸۷

^۲ منظورہ ص: ۲۳۷ بحوالہ سید احمد شہید

^۳ سید احمد شہید ص: ۱۱۶

^۴ سید احمد شہید ص: ۱۱۳

^۵ وقائع ص: ۲۱ بحوالہ سید احمد شہید

نامے آنے لگے۔ اسی دوران آپ کے برادر عزیز مولانا محمد اسحاق دہلی پہونچے، اور وطن چلنے پر اصرار کرنے لگے۔ لیکن چونکہ آپ دو آہے کے سفر کا قصد کر چکے تھے۔ لہذا ان کو تسلی و تسکین پہونچا کر وعدہ کیا کہ انشاء اللہ بہت جلد وطن کو واپس ہوگی۔ آپ کا یہ دورہ خالص دعوت دین اور اشاعت توحید پر مبنی تھا۔ چنانچہ آپ جہاں بھی پہونچے عوام الناس کی ایک کثیر تعداد نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کیا، شرک و بت پرستی اور بدعت و خرافات سے توبہ کیا۔

اس دورے کی خصوصیت یہ تھی کہ شاہ عبدالعزیز نے اپنا قبا اور عمامہ اپنے دست مبارک سے آپ کو پہنا کر رخصت کیا تھا۔ شاہ اسماعیل اور مولانا عبدالحی وغیرہ بھی ساتھ تھے۔ ۱۸۱۸ء میں آپ دہلی سے نکلے تھے اور ۶/ مہینے کے بعد واپس آئے اس کے بعد آپ نے وطن عزیز کا قصد فرمایا، اور رام پور بانس بریلی ہوتے ہوئے ۲۳/ جون ۱۸۱۹ء کو رائے بریلی پہونچے۔ ۱۔ وطن میں دو برس تک تقریباً قیام فرمایا۔ اس دوران اطراف و جوانب بنارس کانپور وغیرہ کا دورہ بھی کیا اور لوگوں کو صراط مستقیم کا راستہ دکھلایا۔

انشاء قیام آپ نے نکاح بیوگاں کی سنت کو عملی طور پر جاری کیا۔ جب کہ مسلمان اس امر مسنون کو ہندوانہ تہذیب کے اثر سے کمزور و مذموم سمجھنے لگے تھے۔ آپ نے اپنی بیوہ بھابھی سے نکاح کیا اسی دوران نصیر آباد کا واقعہ پیش آگیا۔ جو شیعہ سنی کے اختلاف اور آپسی کشمکش کی شکل میں رونما ہوا۔ اس واقعہ کی وجہ سے آپ کا تعارف آغا میر سے ہوا جس نے آپ کو لکھنؤ آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ آپ لکھنؤ تشریف لے گئے، لیکن اختلاف مسلک اور طبائع کی بنا پر آغا میر سے خوشگوار روابط قائم نہ ہو سکے، لیکن وہاں پر بھی آپ کو اشاعت دین اور تبلیغ اسلام کا موقع ہاتھ آیا، اور آپ نے اس کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے دعوت و ارشاد کا سلسلہ شروع فرمادیا، گرچہ آغا میر سے کوئی خاص تعلقات قائم نہ ہو سکے لیکن ہزاروں آدمیوں کو ہدایت نصیب ہوئی اور ایسے مرد مجاہد کو توبہ کی توفیق ملی جو آگے چل کر تحریک مجاہدین کا ایک بنیادی اور مستحکم ستون ثابت ہوا۔ یعنی عظیم آباد پٹنہ کے فرزند ارجمند مولانا ولایت علی جو وہاں زیر تعلیم تھے اور ہمیشہ ہمیش کے لئے آپ کے ہم رکاب ہو گئے ساتھ ہی ایک اور بزرگ مولانا امام الدین (نواکھالی بنگالہ) کو بھی آپ کی بیعت کی سعادت نصیب ہوئی۔ ۲۔

سید احمد صاحب کے تبلیغی سفر بظاہر دوسرے پیروں کے مروجہ سفروں کے مانند تھے جن میں بیعتیں لی جاتی تھیں، اور مذہبی افکار کی تبلیغ ہوتی تھی۔ مگر حقیقت میں ان سفروں کی نوعیت اور ہی تھیں ان سے سید صاحب کو عوام الناس سے میل جول کا موقع ملتا تھا، مسلم معاشرہ میں رائج برائیوں کو آنکھوں سے دیکھتے تھے، متبعین کے ایک منتخب گروہ کو آنے والی کشمکش کے لئے فوجی تربیت بھی دی جاتی تھی۔ ۳۔ دریں اثناء آپ نے سفر حج کا قصد فرمایا، مہر صاحب فرماتے تھے کہ یہ فیصلہ آپ کا کچھ غیر متوقع تھا کیوں کہ وہ دوسرے سفر کے لئے کافی تیاریاں کر چکے تھے، اور وہ تھا ہندوستان کے برطانوی علاقے سے ہجرت۔ ۴۔ لیکن شاید آپ اس سے پہلے حج کے منسوخی کے فتوے کا ازالہ کرنا چاہتے تھے۔

☆☆☆

تعداد ازدواج اور اسلام

(قسط: ۲-۲)

اسامہ احمد صغیر احمد
متعلم جامعہ سلفیہ، بنارس

چند غلط فہمیوں کا ازالہ:

تعداد ازدواج کے اسلامی تصور کے سلسلے میں بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، میں یہاں بالاختصار ان کا ازالہ پیش کر رہا ہوں۔
الف: آیت تعدد کا صحیح مفہوم: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مذکورہ آیت تعدد میں دراصل تعدد کی ممانعت ہے بایں طور کہ اس کے لئے عدل کو مشروط قرار دیا گیا ہے اور سورہ نساء ہی کی آیت (۱۲۹) میں عدل بین الزوجات کو محال بتایا گیا ہے تو جب عدل انسانی وسعت میں نہیں تو معلوم ہوا کہ تعدد جائز نہیں ہے۔

یہ محض ایک باطل قول ہے کیوں کہ اس آیت کریمہ ”ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم“ ۱۔ تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ اپنی تمام بیویوں میں ہر طرح عدل کرو گو تم اس کی کتنی خواہش کرلو“ (جونا گڑھی: ۲۶۱) میں عدل سے مراد عدل معنوی یعنی قلبی تعلق اور دلی میلان ہے جو انسان کی قدرت میں نہیں ہے۔ ۲۔ اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ قلبی تعلق کے نام پر کسی بیوی پر ظلم کرنے لگے اور وہ شوہر کے ہوتے ہوئے بے شوہر کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جائے، قرآن کہتا ہے: ”فلا تمیلوا کل المیل فتذروہا کالمعلقة“ ۳۔ ترجمہ: اس لئے بالکل ہی ایک کی طرف مائل ہو کر دوسری کو ادھر لٹکتی ہوئی نہ چھوڑ دو۔ (جونا گڑھی: ۲۶۱) ۸

ب: تعدد کی تحدید: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آیت تعدد سے چار عورتوں سے زائد کی اجازت ثابت ہوتی ہے، دراصل یہ بھی ایک باطل اور من گھڑت قول ہے، یہ لوگ قرآن کی فصاحت و بلاغت اور عربی زبان کے اسلوب سے نا بلد ہیں۔ ۴۔ مزید برآں احادیث صحیحہ میں اس کی صراحت موجود ہے۔ جب حضرت غیلان ثقفی نے اسلام قبول کیا تو ان کے پاس دس بیویاں تھیں تو آپ نے چھ بیویوں کو الگ کر کے چار کو باقی رکھنے کا حکم دیا۔ ۵

ج: تعدد محض ایک اجازت: بعض حضرات تعداد ازدواج کو اس طرح ذکر کرتے ہیں جیسے کہ یہ اسلام کا ایک رکن یا فریضہ ہے، مسلمان اس حکم پر ضرور عمل کرتا ہے اور اس کا گھر ہمیشہ چار بیویوں سے آباد رہتا ہے۔

یہ خیال بھی سراسر بے بنیاد ہے بلکہ اسلام نے اس کی اجازت دی ہے، یہ اجازت بھی دراصل بعض معاشرتی اور اخلاقی مسائل حل کرنے اور ناگزیر مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کی کارگر کوشش ہے۔ ۶۔
دیگر اقوام کا تناسب اس معاملے میں مسلمانوں سے بہت زیادہ ہے ہزاروں مسلمانوں میں اس کے عامل انگلیوں پر گنے

۱۔ النساء: آیت/ ۱۲۹ ۲۔ المرأة بین الفقہ والقانون ص: ۹۹-۱۰۱ ۳۔ النساء: آیت/ ۱۳۱

۴۔ مسلمان عورتوں کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ ص: ۱۲۳

۵۔ فتح القدیر ج/ ۴۲۰ ۶۔ جامع ترمذی، کتاب النکاح، باب ما جاء فی الرجل لیسلم..... ص: ۲۷۳

۷۔ اسلام ایک زندہ حقیقت ص: ۳۱۵

جاسکتے ہیں۔ ۴ (Hindu marriage act 1954) کے مطابق ہندوؤں کے لئے تعدد قانوناً جرم ہے لیکن اس کے باوجود 1952-41 میں ان کے اندر تعدد کی شرح پانچ فیصد اور مسلمانوں میں صرف چار فیصد تھی بلکہ ہندوستانی قانون کے مطابق تعدد ایک مسلم کے لئے جائز ہے۔ ۱

اقوام عالم میں تعدد ازدواج کا وجود :

تعدد ازدواج کے متعلق مخالفین نے جس قدر ورق سیاہ کئے ہیں اس کا کچھ حساب نہیں لیکن یہ مسئلہ قانون فطرت کی وجہ سے ایسا ٹھوس اور مستحکم ہے کہ ایسے ویسے ہوا کے جھونکوں سے تو کیا بڑے بڑے زلزلوں سے بھی متاثر نہیں ہو سکتا۔ ۲ کیوں کہ ان لوگوں نے تعدد کو اسلامی شریعت کے ساتھ خاص سمجھ کر طرح طرح کی کج بحثیاں کیں ہیں، حالانکہ تمام مذاہب عالم نے اسلام سے قبل یا بعد تعدد کو قانون یا مذہب کی حیثیت سے تسلیم کیا ہے۔ ۳

الف: یہودیت میں اس کا ثبوت: یہودی مذہب میں تعدد کی اجازت ہے اور تعدد کی کوئی قید بھی نہیں، تورات کے مطابق حضرت ابراہیمؑ کی تین، یعقوبؑ کی چار، موسیٰؑ کی چار، داؤدؑ کی نو اور سلیمان (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے عقد میں تقریباً ایک ہزار بیویاں تھیں۔ ۴ تعدد کا یہ سلسلہ چلتا رہا، بعد میں چل کر ایک یہودی ”گیرشوم“ نے اس پر پابندی عائد کر دیا۔ ۵ لیکن اب اس کی جگہ غلط کاریاں عام ہیں۔

ب: مسیحیت میں اس کا ثبوت: انجیل میں ممانعت تعدد کی کوئی تصریح نہیں ہے، بلکہ تاریخ شاہد عدل ہے کہ قدیم مسیحین تعدد پر عمل پیرا تھے، ۶ تاریخ ازدواج کا مستند عالم (Wester Mark) کا بیان ہے کہ ”کلیسا کی مرضی سے سترھویں صدی تک تعدد کا دستور تھا“ ۷ اور بعض عیسائیوں کے نزدیک تعدد ضروری تھا۔ ۸

ج: ہندومت و دیگر اقوام عالم میں اس کا ثبوت:

ہندو مذہب کی کتابیں ”(وید، رامائن، مہابھارت اور گیتا) کے مطابق ایک مرد بے شمار شادیاں کر سکتا ہے، اکثر ہندو مذہبی رہنماؤں نے کئی ایک شادیاں کی تھیں۔ ۹ راجا دشرت، کرشن، پانڈو نے ایک سے زیادہ شادیاں کی تھیں۔ ۱۰ اسی طرح دیگر اقوام قدیمہ (مصری، چینی، بابلی، یونانی اور اشوری وغیرہ میں بغیر کسی قید کے اس کا رواج عام تھا، گویا یہ رواج ہر دور ہر تہذیب اور ہر قوم میں رہا ہے۔) ۱۱

۲ غیر مسلمین کی طرف سے کئے گئے عام سوالات: ۱۰

۳ خاتون اسلام ص: ۲۰۹

۴ غیر مسلمین کی طرف سے کئے گئے سوالات ص: ۹

۵ المرأة بین الفقہ والقانوں ص: ۷۱-۷۲

۱۰ غیر مسلمین کی طرف سے..... ص: ۹

39-38/8 Britannica Encyclopedea

۱ مسلمان عورتوں کے حقوق ص: ۱۱۹

۳ تفسیر ثانی ۱/۹۲

۵ رحمۃ للعالمین ج ۲/۱۲۸

۶ رحمۃ للعالمین ۲/۱۳۰

۹ المرأة بین الفقہ والقانوں ص: ۷۱

۱۱ رحمۃ للعالمین ۲/۱۳۰

تعدد ازدواج بعض منصفین مغرب کی نظر میں:

اہل مغرب نے اسلام کے اس نظام پر گرچہ بے شمار رد و قدح کئے ہیں لیکن اس کے باوجود بعض منصفین مغرب اس نظام کی حقانیت پر تسلیم خم کر کے اس کے مداح بن گئے۔

مشہور مصنف (Letaurneau) نے اپنی کتاب میں اس نظام کی حمایت کی ہے۔^۱ ایک جرمن ماہر سماجیات لکھتا ہے کہ ”تعدد ازدواج آریائی نسل کی بقاء کے لئے ضروری ہے، ان کے علاوہ ایک بڑا علمی طبقہ اور کئی ممالک نے اس نظام کی طرفدار کا نعرہ بلند کیا ہے۔“^۲

اسلامی تعدد اور غیر اسلامی تعدد: ایک موازنہ:

معتزین اس اسلامی نظام پر نوع بنوع کے اعتراضات پیش کرتے ہیں جو کہ سراپا انسانی اور اخلاقی نظام ہے اور اپنے غیر اخلاقی و انسانی اور غیر قانون تعدد سے چشم پوشی کر جاتے ہیں، درحقیقت تعدد کا اسلامی نظام اخلاقی بلندی اور معاشرہ کی پاکیزگی کا بہترین وسیلہ ہے جو مختلف النوع پابندیوں اور شروط و قیود سے منسلک ہے اس کے برعکس مغربی تعدد نہ تو قانونی ہے نہ ہی اخلاقی و انسانی بلکہ کسی عقد کے ایک آدمی کے پاس کئی کئی گرل فرینڈس ہوا کرتی ہیں، جن سے وہ اپنی ہوس کی آگ ٹھنڈی کرتا ہے۔

مذکورہ اخلاقی پہلو کے علاوہ اسلام کے اس نظام کا انسانی پہلو یہ ہے کہ رشتہ زوجیت سے عورت کو دائمی سہارا مل جاتا ہے اور شوہر حمل و ولادت کے انشاء میں ہمدردی و ہی خواہی کی اعلیٰ مثال قائم کرتا ہے جبکہ مغربی تعدد میں مرد جنسی اتصال کے بعد عورت سے جدا ہو جاتا ہے اور اس پر کوئی ذمہ داری بھی عائد نہیں ہوتی بلکہ اس کی عزت و آبرو سے کھیلنے کے بعد اسے ذلت و رسوائی کے لئے تنہا چھوڑ دیتا ہے۔^۳ اب قابل غور بات یہ ہے کہ تعدد کی دونوں صورتوں میں کون سی صورت اخلاق کے تحفظ اور شہوانی جذبات کو دبانے کی ضامن ہے اور کس کے اندر احترام زن اور بہبود انسانیت کا پہلو زیادہ نمایاں ہے۔^۴

تعدد شوہری:

اس مسئلہ میں معتزین کا خیال ہے کہ جب چند مبرات کی بناء پر اسلام میں ”چند زنی“ جائز ہے تو پھر ”چند شوہری“ کیوں ممنوع ہے یعنی جب مرد کو تعدد کی اجازت ہے تو عورت کو کیوں نہیں۔

یہ بات جتنی وزنی معلوم ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ کمزور ہے، اس کے وجوہات حسب ذیل ہیں۔

● الف: پہلی بات یہ ہے کہ جس طرح مرد طبعاً تعدد کا رجحان رکھتا ہے عورت یک زوجگی کی طرف مائل ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ تعدد زنی کا وجود ہر قوم و تہذیب میں رہا ہے، جب کہ تعدد شوہری کا رواج شاذ و نادر بعض غیر متمدن اقوام میں رہا ہے۔

● ب: نسب کا اختلاط اور وراثتی نظام میں انتشار:

تعدد شوہری کی صورت میں رشتہ زوجیت کے اہم مقاصد نسب کا تحفظ، وراثت کا نظم اور اولاد کی تربیت و کفالت کا معاملہ بالکل

۱۔ تعدد ازدواج عقل و تجربہ کی روشنی میں ص: ۶۲-۶۸ ۲۔ المرأة بین الفقه والقانون ص: ۲۳-۲۴

۳۔ المرأة المسلمة: ص: ۳۵-۴۰ ۴۔ خاتون اسلام ص: ۲۱۷

۵۔ تعدد ازدواج عقل... ص: ۱۱۹

مختل ہو کر رہ جاتا ہے۔ ۱۔ ماہر نفسیات کے مطابق اس صورت میں بچے خوشی سے محروم ہو جاتے ہیں، ان کا ذہن کمزور ہو جاتا ہے اور ایک صالح معاشرہ کا قیام محال ہو جاتا ہے۔ ۲۔

● ج: دیگر مفسد:

عالمی سربراہی کا اختلاط، عورتوں کا اپنی ذمہ داری نہ ادا کر پانا اور جنسی بیماریوں کا خطرہ یہ سب ایسے امور ہیں جن سے خاندان کا نظام اور تمدن کا شیرازہ درہم برہم ہو جاتا ہے اور انسانیت کی جڑیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں۔ ۳۔

کثرت ازدواج نبی ﷺ:

مقترضین نے نظام تعدد پر بحث کرتے ہوئے نبی ﷺ کی ازدواجی زندگی کو بھی داغدار کرنے کی سعی ناپاک کی ہے، آپ پر نعوذ باللہ عیاشی اور ہوش رانی جیسے سراسر بے بنیاد الزامات عائد کئے ہیں اور آپ کی کثرت ازدواج پر طرح طرح کی کج بحثیاں کی ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی جوانی تقریباً تیس سال کی مدت کو ایک عمر بیوی خدیجہ پھر سودہ (رضی اللہ عنہما) پر اکتفا کرتے ہوئے گزار دیا ہے۔ ۴۔ جب آپ نے کہولت کی دہلیز پر قدم رکھا تب متعدد شادیاں کیں۔ ۵۔ آپ کی تبارک و میومن متعدد شادیوں کے ماوراء بے شمار بلند و بالا اغراض و مقاصد کا ور حکمتیں کا رفرما تھے۔ ۵۔

الف: اس زمانے میں رشتہ مصاہرت کا بڑا احترام کیا جاتا تھا چنانچہ آپ نے حضرت عائشہؓ، حفصہؓ، ام حبیبہؓ، اور جویریہؓ (رضی اللہ عنہن) سے رشتہ مصاہرت قائم کر کے ان کے خاندان والوں کو جو بڑے اثر و رسوخ والے تھے اسلام سے قریب کر دیا اور آپ کی محبت ان کے دلوں میں جا گزریں ہونے لگیں۔ ۶۔

ب: آپ ﷺ نے ام حبیبہؓ، جویریہؓ، صفیہؓ، میمونہ اور زینب جیسے بیواؤں سے شادی کر کے انہیں اپنی سایہ عاطفت میں جگہ دی۔ ۷۔ اور مزید زینب سے نکاح کر کے ایک فاسد رواج کا ابطال کیا۔ ۷۔

ج: سب سے بڑی حکمت یہ تھی کہ آپ کی بعثت کا اصل مقصد احکام الہی سے لوگوں کو روشناس کرانا تھا اور ممانعت اختلاط کی وجہ سے عورتوں تک پیغام الہی کو پہنچانے کے لئے یہ طریقہ اپنانا گزیر تھا۔ چنانچہ آپ مختلف لیاقت و عمر کی عورتوں کو منتخب فرمایا جو اس مقصد کے لئے کافی تھیں، ان لوگوں نے خصوصاً خانگی حالات سے امت کو واقف کرایا اور آپ کی زندگی کے ہر پہلو کو اجاگر کیا۔ ۸۔

مصالح تعداد ازدواج:

میں اس عنوان کے تحت ”ان شاء اللہ“ ان اسباب و وجوہات، مصالح و حاجات اور مخصوص حالات کو بیان کروں گا جن کے

- | | |
|---------------------------------------|-----------------------------|
| ۱۔ ایضاً ۱۲۳ | ۲۔ غیر مسلمین کی طرف، ص: ۱۷ |
| ۳۔ المرأة بین الفقه والقانون ص: ۸۹-۹۰ | ۴۔ الریحق المختوم ص: ۶۱-۷۱ |
| ۵۔ ایضاً ۷۱ | ۶۔ الصادق الامین ص: ۸۰۰ |
| ۷۔ ایضاً ۸۰۲ | ۸۔ ایضاً ص: ۱۹-۲۲ |
| ۹۔ الریحق المختوم ص: ۶۲-۶۳ | ۱۰۔ اوشیحات اباطیل ص: ۱۳-۱۸ |

پیش نظر اسلام نے تعداد ازدواج کو مباح قرار دیا ہے، جن سے معترضین کے اعتراضات کی مزید قلعی کھل جائے گی۔

معاشرتی و اجتماعی مصالح:

الف: مردوں کے بالمقابل عورتوں کی کثرت: اگرچہ پیدائش کے اعتبار سے مرد و عورت دونوں کی تعداد تقریباً مساوی ہوتی ہے لیکن شادی کے قابل مرد کی تعداد شادی کے لائق عورت کے بالمقابل بہت کم ہوتی ہے کیوں کہ لڑائیوں، حوادث و واقعات، فسادات و سانحات اور مختلف النوع بیماریوں میں مردوں کی شرح اموات بے حد زیادہ ہوا کرتی ہیں۔ ۱ ایسی صورت میں اگر تعداد کی اجازت نہ ہو تو عورتوں کے لئے رہائش و نان و نفقہ کا سوال، ان کی جنسی خواہشات کی اخلاقی تسکین کا مسئلہ درپیش ہوگا، اور پورا معاشرہ اخلاقی آوارگی، معاشرتی انارکی اور ہیچ درپیش مسائل و مشکلات کا شکار ہو جائے گا۔ ۲

ب: افرادی قوت: اقوام کی زندگی میں افرادی قوت دفاعی، صنعتی اور سماجی و معاشرتی امور میں اہم رول ادا کرتی ہے اور تعداد ازدواج افرادی قوت میں اضافہ کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ ۳

ج: یتیموں اور بیواؤں کا حسن انتظام: تعدد کے ذریعہ اس معاشرتی مسئلہ کو بھی حل کیا جاسکتا ہے۔ ۴

فطری و شخصی حکمتیں:

الف: بیوی کا بانجھ ہونا اور اولاد کی خواہش: انسان کے اندر اولاد کی خواہش ایک فطری شے ہے جو بالکل مباح اور جائز تمنا ہے نظام تعدد کے ذریعہ اس مسئلہ کو شائستہ انداز میں حل کیا جاسکتا ہے۔ ۵

ب: عورت کا دائمی مرض میں مبتلا ہونا: بسا اوقات عورت کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جاتی ہے کہ ازدواجی تعلق قائم رکھنے کے قابل نہیں رہتی ہیں، تو ان مذکورہ صورتوں میں اگر تعدد کی اجازت نہ ہو تو مرد طلاق کا راستہ اختیار کرے گا جب کہ ایسی صورت میں اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کیوں کہ بانجھ پن یا بیماری میں عورت کا اپنا کوئی قصور نہیں، یا یہ کہ مرد اخلاقی بے راہ روی پر مجبور ہوگا، جیسا کہ عموماً مغربی ممالک میں ہوتا ہے۔

ج: دیگر شخصی مصالح: عورتیں اپنے مخصوص ایام (حیض و نفاس) میں شوہر سے مصاحبت نہیں کر سکتیں عموماً مرد اپنے تجارتی امور کی وجہ سے مہینوں، سالوں باہر ہا کرتے ہیں، مرد کے اندر اتنی جنسی قوت ہو کہ وہ ایک بیوی پر قناعت نہیں کر سکتا اور مزید یہ کہ عام طور سے چالیس، پچاس سال میں عورتوں کی جنسی خواہشات ٹھنڈ پڑ جاتی ہیں، جب کہ مرد تقریباً ستر سال تک اس کے قابل ہوتے ہیں۔ مذہب اسلام نے انہیں حالات و ظروف کے پیش نظر اس نظام کو مباح قرار دیا جو کہ معاشرہ کی پاکیزگی کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ ۶

۲. تعداد ازدواج عقل و تجربہ..... ص: ۵۰

۱. المرأة بین الجاہلیۃ والإسلام ص: ۱۰۵-۱۰۶

۳. تعداد ازدواج عقل و تجربہ..... ص: ۸۶

۳. مسلمان عورتوں کے حقوق..... ص: ۱۱۳

۶. المرأة المسلمة: ص: ۳۲-۳۳

۵. اسلام ایک زندہ حقیقت۔

۶. المرأة المسلمة: ص: ۳۲-۳۳

مفسد منع تعدد از دواج:

تعدد کا تذکرہ کرتے وقت معترضین کے ذہن و دماغ سے وہ تمام مجبوریاں اور مخصوص حالات جن کے پیش نظر اسلام نے اس کی اجازت دی ہے، نکل جاتے ہیں اور وہ طرح طرح کے خرافات بکتے ہیں، دوسری طرف منع تعدد سے جو مفسد، خرابیاں، اخلاقی انارکی، حرام کاریاں اور ہوس انیاں رونما ہوتے ہیں، انہیں وہ نظر انداز کر جاتے ہیں۔

مجلہ ”حضارۃ الاسلام“ شمارہ ۱۹۶۱ء بمطابق ۱۳۸۱ھ ص: ۳۶۵ میں مذکور ہے کہ: سوئیڈن ہر دس بچوں میں ایک بچہ اور ڈنمارک ہر تیرہ بچوں میں ایک بچہ ناجائز ہوتا ہے، اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق بعض ممالک میں ناجائز بچوں کا تناسب ۳۰ فیصد تک پہنچ گیا ہے۔^۱ یہ واضح رہے کہ اسقاط حمل نسبندی اور حمل کو ضائع کرنے والی دواؤں کا استعمال کے بعد ان ممالک کی یہ صورتحال ہے اگر ان چیزوں پر پابندی عائد کر دی جائے تو کیا حال ہوگا؟ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

بحث کا لب لباب:

اس حقیقت سے فرار ممکن نہیں کہ یک زوجگی نزاع سے سلامتی کا سبب اور خاندان کے اتحاد و اتفاق کے حق میں بہتر ہے۔^۲ کیوں کہ تعدد سے کئی طرح کے مسائل اور مشکلات پیدا ہوتے ہیں، سوکنوں کے مابین بغض و عداوت، حسد و کینہ اور نفرت و تشاجر کی ہوا چل پڑتی ہے اور یہ مفسد اولاد تک منتقل ہو جاتے ہیں، جس کی وجہ سے شوہر کی زندگی مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے، اور وہ انہیں مسائل میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔^۳ لیکن اس کے باوجود بے شمار معاشرتی، نفسیاتی، فطری، جذباتی، شخصی اور خصوصی پیچیدگی مسائل و مشکلات کا حل تعدد میں موجود ہے، تعدد سے پیدا شدہ مسائل اتنے خطرناک نہیں کہ اس پر قابو نہ پایا جاسکے جب کہ منع تعدد کے مفسد و نقصانات اتنے سنگین و خطرناک ہیں جن پر قابو بحال ہے، مزید برآں اسلام نے اس نظام کو بے لگام نہیں چھوڑا ہے بلکہ ایسے قواعد و ضوابط وضع کئے ہیں جن کو اپنانے سے بیویوں کے مابین ناچاقی ہوگی ہی نہیں۔

الغرض یہ ایک احتیاطی اقدام ہے جو متعلقہ فریقوں کے بہترین مفاد میں پیش بندی کے طور پر انجام دیا جاتا ہے، یہ اسلام و ایمان کا جزء لازم نہیں اور نہ ہی اس کا حکم ہے بلکہ یہ ایک اجازت ہے اور انسانی تعلقات میں بعض انتہائی مشکل مسائل کا حل ہے۔^۴



۲ حکمت اباحت تعدد الزوجات ص: ۱۵-۱۸

۱ المرأة بین الجاهلیۃ والاسلام ص: ۲۴-۱۱۲

۴ اسلام ایک زندہ حقیقت ص: ۳۳۱

۳ المرأة بین الفقہ والقانون ص: ۹۰-۹۱

اخبار جامعہ

جامعہ سلفیہ بنارس میں حدیث و علوم حدیث پر سہ روزہ تربیتی کیمپ

جامعہ سلفیہ بنارس میں حدیث و علوم حدیث پر ایک سہ روزہ تربیتی کیمپ بتاریخ ۶ تا ۸ مارچ ۲۰۱۰ء مطابق ۱۹ تا ۲۱ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ بروز سنچر، اتوار اور سوموار منعقد کیا گیا۔

یہ تربیتی کیمپ جامعہ کے اساتذہ اور اس کے ملحق مدارس کے وہ اساتذہ جو حدیث و علوم حدیث کی تدریس پر مامور ہیں، ان کے لئے مخصوص تھا، اور اس کا مقصد حدیث کی تعلیم کے معیار کو بہتر بنانا نیز اس کے منہج تدریس میں یکسانیت اور ہم آہنگی پیدا کرنا تھا۔

الحمد للہ جامعہ کی دعوت پر ریاض سعودی عرب سے جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ کے استاذ ڈاکٹر ابراہیم عبداللہ المطلق تشریف لائے اور اس کیمپ میں آپ کے لکچرس کتب حدیث اور ان کے مراتب کا تعارف، تدوین السنۃ کا منہج تدریس، دفاع عن السنۃ کا منہج تدریس اور حدیث ”انما الأعمال بالنیات“ کی شرح کے عنوان پر الگ الگ نشست میں ہوئے، آپ کے علاوہ جن اساتذہ جامعہ سلفیہ نے اس تربیتی کیمپ میں محاضرہ پیش کیا ان کے اسماء گرامی مع عناوین مندرجہ ذیل ہیں:

مولانا عبدالسلام مدنی سنن نسائی، منہج تدریس اور معاون کتابیں

مولانا عبدالباقی حجازی سنن ترمذی ” ” ”

مولانا محمد یونس مدنی مشکوٰۃ المصابیح ” ” ”

مولانا عبید اللہ طیب کی تخریج حدیث، اس کے طرق، اور معاون کتابیں

مولانا محمد مستقیم سلفی سنن ابی داود، منہج تدریس اور معاون کتابیں

ڈاکٹر محمد ابراہیم مدنی اصول حدیث، منہج تدریس، اور معاون کتابیں

مولانا عبدالمتین مدنی بلوغ المرام، منہج تدریس، اور معاون کتابیں

مولانا نعیم الدین مدنی صحیح بخاری، ” ” ”

ڈاکٹر جاوید اعظم (رکن مجلس عاملہ) غریب الحدیث کی اہمیت اور معاون کتابیں

مولانا عزیز الرحمن سلفی صحیح مسلم، منہج تدریس، اور معاون کتابیں

اس تربیتی کیمپ کی تمام نشستیں جامعہ کے قاعدۃ المحاضرات میں منعقد کی گئیں، ذمہ داران جامعہ، اساتذہ جامعہ، ملحق مدارس کے اساتذہ اور جامعہ کے عالمت و فضیلت کے طلبہ نیز شہر کے باذوق علم دوست حضرات نے بھی اس میں شرکت کی۔

اس کیمپ کے افتتاحی و اختتامی پروگرام کو چھوڑ کر ۵ نشستیں منعقد کی گئیں اور ۱۴ محاضرے پیش کئے گئے، پہلی نشست صبح ساڑھے سات سے تا نماز ظہر اور دوسری نشست بعد نماز مغرب تا نماز عشاء منعقد ہوئی۔

پہلی نشست میں پہلے محاضرہ کے بعد ناشتہ کا وقفہ رکھا گیا اور محاضر کو تقریباً ایک سے سوا گھنٹہ کا وقت دیا گیا، جس میں اخیر کا پندرہ منٹ سوال و جواب کے لئے مخصوص تھا۔

اس کیمپ میں ملک کے سات صوبوں سے جامعہ کے ۲۳ ملحق مدارس کے علم حدیث کے ۴۴ مدرسین نے شرکت فرمائی۔

افتتاحی پروگرام: اس کیمپ کا افتتاحی پروگرام مولانا شاہد جنید سلفی صاحب کے زیر صدارت بروز سنچر ۶ مارچ ۲۰۱۰ء صبح ساڑھے سات بجے قاعدۃ المحاضرات میں منعقد ہوا، تلاوت کے بعد ترانہ جامعہ پیش کیا گیا، اس کے بعد ناظم اعلیٰ مولانا عبداللہ سعود صاحب نے مہمان

کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا، اور اس کمپ کے انعقاد کے مقاصد پر روشنی ڈالی، پھر ڈاکٹر جاوید اعظم صاحب نے اس کمپ سے متعلق اپنے تاثرات اور اس کی اہمیت پر گفتگو کی، اس کے بعد شیخ زہیر عبدالرحمن رحمانی نے مدرسین کی طرف سے نمائندہ خطاب پیش کیا، اس کے بعد مہمان گرامی ڈاکٹر ابراہیم بن عبداللہ المطلق نے خطاب فرمایا، جس میں انہوں نے ذمہ داران جامعہ کو اس پروگرام کے انعقاد پر مبارکباد پیش کی اور اس کمپ کی اہمیت پر روشنی ڈالی، پھر صدر مجلس کے شکریہ کے کلمات کے ساتھ یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔

اختتامی پروگرام: اس کمپ کا اختتامی پروگرام بروز سوموار ۸ مارچ ۲۰۱۰ء بعد نماز مغرب زیر صدارت ڈاکٹر ابراہیم عبداللہ المطلق منعقد ہوا، جس میں مندوبین مدارس مولانا اسد اللہ خاں (جودھپور، راجستھان) مولانا عبدالنحیر مدنی (سدھارتھ نگر یوپی) مولانا محمد ریحان سلفی (آرہ، بہار) مولانا عبید الرحمن سلفی (سدھارتھ نگر، یوپی) مولانا کلیم اللہ سلفی (جونپور، یوپی) نے تاثراتی کلمات پیش کئے۔

اس کے بعد صدر مجلس نے اپنے خطاب سے نوازا اور اخیر میں ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ بنارس نے مہمان گرامی اور تمام حاضرین کا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ کمپ کے اختتام کا اعلان فرمایا۔

خصوصی نشست: بروز اتوار ۷ مارچ ۲۰۱۰ء بعد نماز عصر قاعدۃ المحاضرات میں ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ بنارس نے تمام اساتذہ جامعہ مدرسین ملحق مدارس کے ساتھ ایک خصوصی نشست کا اہتمام کیا جس میں تدریس کے مسائل کے ساتھ ملحق مدارس کے بعض دوسرے اہم مسائل پر گفتگو کی، نصاب کی اصلاح، اس کی تکمیل، درسی کتابوں کی فراہمی، امتحانات کے مسائل نیز آئندہ مجوزہ منعقد ہونے والے کمپ پر بھی روشنی ڈالی گئی۔

میڈیا کا کوریج

مقامی و غیر مقامی الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا نے اس پروگرام کو مناسب کوریج دیا، افتتاحی و اختتامی پروگرام کی خبریں تصویر کے ساتھ اردو، ہندی اور انگریزی اخبارات میں شائع ہوئیں، بعض نشستوں میں اخبارات کے نمائندے شریک بھی رہے، الیکٹرانک میڈیا میں اس پروگرام کی خبر نشر کی گئی اور مہمان گرامی ڈاکٹر ابراہیم بن عبداللہ المطلق کے انٹرویو کو بھی نشر کیا گیا۔

الحمد للہ اپنی نوعیت کا جامعہ کے اندر یہ پہلا تربیتی کمپ کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا، اساتذہ کے ساتھ جامعہ کے طلبہ بھی اس سے خوب مستفید ہوئے۔

اس کمپ کو پورے نظم و ضبط کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچانے میں اس کے کنوینر شیخ عبدالکبیر مدنی اور شیخ اسعد اعظمی، شیخ محمد عبدالقیوم کی محنت قابل قدر و ستائش رہی۔ فجزاہم اللہ خیرا۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کا ایکسوس کل ہند اجلاس: آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا ایکسوس کل ہند اجلاس یوپی کے دارالسلطنت لکھنؤ کے اندر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بروز جمعہ، سنہ ۱۴۳۱ھ مطابق: ۱۹، ۲۰، ۲۱ مارچ ۲۰۱۰ء منعقد ہوا، بورڈ کی عاملہ، اراکین و مدعوین کی میٹنگیں ندوۃ العلماء کے اندر مولانا معین الدین ندول ہال اور عباسیہ حال میں تینوں دن منعقد ہوتی رہیں، جن میں جامعہ سلفیہ کے استاذ شیخ اسعد اعظمی رکن مسلم پرسنل لا بورڈ نے شرکت کی، آخری دن اتوار کی شب میں ایک عظیم الشان اجلاس عام بمقام عید گاہ، عیش باغ لکھنؤ منعقد ہوا، جس میں مسلمانوں کے تقریباً تمام مکاتب فکر کے علماء نے حاضرین سے خطاب کیا۔

جامعہ عالیہ عربیہ مؤمنین منعقد دورۃ تدریب الدعاة میں محاضرہ: لجنۃ القارۃ الہندیۃ، احیاء التراث الاسلامیہ کویت کی جانب سے جامعہ عالیہ عربیہ مؤمنین لجنہ کے دعاۃ و مدرسین کا ایک علاقائی تربیتی پروگرام منعقد ہوا، جو ۲۰ تا ۲۳ مارچ ۲۰۱۰ء چار روز تک جاری رہا، منتظمین کی دعوت پر جامعہ سلفیہ سے شیخ اسعد اعظمی نے ۲۲ مارچ کو بعنوان: ”جدید ذرائع ابلاغ اور دعوت و تبلیغ کے لئے ان سے استفادہ کے طریقے“ ایک محاضرہ پیش کیا اور آخر میں حاضرین کے سوالات کے جواب دیئے، اس پروگرام میں قرب و جوار کے تقریباً ایک سو دعاۃ و مدرسین نے شرکت کی۔ ☆☆

لجنۃ الثقافتہ کی سرگرمیاں

لجنۃ الثقافتہ کی چوتھی نشست بتاریخ ۲۵ فروری ۲۰۱۰ء بروز جمعرات زیر صدارت فضیلۃ الشیخ مولانا نعیم الدین صاحب حفظہ اللہ شیخ الجامعہ جامعہ سلفیہ منعقد ہوئی، تلاوت، حمد و نعت کے بعد ارشاد محمد یونسؑ نے ”اسلامک بینکنگ کی اہمیت اور طلبہ مدارس کے لئے اس میں امکانات“ پر ایک جامع مقالہ پیش کیا، پھر عربی و انگریزی لطائف، برجستہ تقاریر و تینوں زبانوں میں ترجمہ نگاری کا سلسلہ شروع ہوا، پھر سامعین سے پروگرام میں پیش کئے گئے معلومات سے متعلق سوال و جواب ہوئے، اس کے بعد عبدالواحد محمد لقمان نے مولانا عبدالمبین صاحب سلفی کی سوانح حیات بیان کی اور اخیر میں صدر محترم کے صدارتی کلمات کے ساتھ پروگرام کا اختتام ہوا۔

پانچویں نشست: بتاریخ ۱۱ مارچ ۲۰۱۰ء بروز جمعرات زیر صدارت استاذ محترم شیخ اسعد صاحب اعظمی کی صدارت میں منعقد ہوئی، یہ خصوصی پروگرام سیرت کونز کے نام سے تھا جس کا عنوان تھا: ”غزوات رسول ﷺ الرحیق المختوم کی روشنی میں“، پروگرام میں چالیس لڑکوں نے شرکت کی جن کو چار گروپوں میں تقسیم کیا گیا تھا، اخیر میں سامعین سے سوال و جواب اور ارشاد مسلمان کے خبرنامہ کے بعد صدر محترم نے صدارتی کلمات پیش کیا اور نیک مشوروں سے نوازا۔

چھٹی اور آخری نشست: ۲۵ مارچ ۲۰۱۰ء بروز جمعرات زیر صدارت شیخ عبدالوہاب صاحب حجازی حفظہ اللہ کی تھی، حکم کا فریضہ ظل الرحمن صاحب فائق بندوی حفظہ اللہ اور استاذ محترم جناب نیر واحدی صاحب حفظہ اللہ نے انجام دیا، یہ نشست ”اردو اشعار کونز“ کے نام سے تھی، اس بیت بازی مقابلہ میں ۴۴ لڑکوں نے حصہ لیا، ان کو بھی چار گروپوں میں تقسیم کر کے باہم مقابلہ کرایا گیا، بیچ بیچ میں حکم صاحبان اور صدر محترم حفظہ اللہ نے اپنے مخصوص ترنم سے مجلس کو محفوظ کیا، اخیر میں ارشاد مسلمان نے ”مادر علمی میں تین سالہ قیام“ پر تاثرات پیش کئے اور جاتے جاتے ان کی آنکھیں نمناک ہو گئیں، ان کے بعد صدر محترم کے صدارتی کلمات کے بعد تمام شرکاء اور سامعین و حاضرین کو گرانقدر انعامات سے نوازا گیا، پھر تمام لوگوں کے شکریہ کے ساتھ مجلس کے اختتام کا اعلان کیا گیا۔

لجنۃ الثقافتہ کے مربی مولانا عبدالوہاب صاحب حجازی کے نیک مشوروں اور علمی اصلاح کی بدولت لجنۃ الثقافتہ کی مجلسیں کامیابی سے ہمکنار ہوئیں، طلبانے جوش و خروش سے ہر پروگرام میں حصہ لیا، لجنۃ الثقافتہ میں سابقہ تمام روایات کو برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ اس سال کچھ اہم پیش رفت ہوئی ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

- ۱- لجنۃ الثقافتہ میں حصہ لینے والے تمام شرکاء کو انعامات سے نوازا گیا، جس سے طلبہ میں لجنہ کے تئیں خاطر خواہ دلچسپی پیدا ہوئی۔
- ۲- شہر کے معزز اور اپنے فن کے ماہر لوگوں کو بلا کر ان سے علمی استفادہ کیا گیا۔
- ۳- سال رواں میں وفات پانے والی عظیم شخصیتوں کا سوانحی خاکہ پیش کیا گیا۔
- ۴- حالات حاضرہ کے اختلافی مسائل پر تحقیقی مکالمہ جیسے ”تاریخ کر بلا“، ”۱۲ ربیع الاول“، ”مرکزی مدرسہ بورڈ کی تشکیل“، ”فارغین مدارس کا مستقبل“ وغیرہ۔

پروگرام کو خوب سے خوب تر بنانے کے لئے اصحاب علم سے گزارش ہے کہ وہ ہمیں اپنے مشوروں سے نوازیں۔

امین لجنۃ الثقافتہ

عبداللہ نفیس عبدالمبین ف ۳

عالم اسلام

غل الرحمن سلفی

سنٹرل لائبریری، جامعہ سلفیہ، بنارس

مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) کی بے حرمتی اور نمازیوں پر بیجا تشدد

قبلہ اول بیت المقدس چار دہائیوں سے یہودیوں کی ناپاک سازش کی زد میں ہے، مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی اور نمازیوں پر وحشیانہ تشدد کا سلسلہ بدستور جاری ہے، چنانچہ حالیہ واقعہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، مرکز اطلاعات فلسطین کے مطابق اتوار کے روز درجنوں اسرائیلی فوجی مسجد اقصیٰ میں داخل ہو گئے، اور اندر سے مسجد کے دروازے بند کر کے باہر سے نمازیوں کے داخلہ پر پابندی لگادی، مسجد کے اندر نماز میں مصروف فلسطینیوں کو ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا، نیز ان پر لاثھیاں برساتے ہوئے انہیں گھسیٹ کر باہر نکال دیا، اور تمام نمازیوں کے شناختی کارڈ بھی چھین لئے گئے۔

مصر کے مفتی اعظم علی جمہ نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے: اسرائیلی منصوبہ کے مطابق وہ مسجد اقصیٰ کو منہدم کر کے اپنا معبد تعمیر کرنا چاہتے ہیں، جس سے پورے علاقہ میں خطرناک صورت حال پیدا ہو جائے گی، جس پر قابو پانا ناممکن ہوگا، مفتی اعظم کے بیان کے مطابق اس عمل سے نہ صرف مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوں گے، بلکہ ان تمام لوگوں کو شدید ذہنی صدمہ پہنچے گا جو الہامی مذاہب اور عالمی قوانین پر یقین اور اعتماد رکھتے ہیں، نیز مفتی علی جمہ عالمی عدالت انصاف سے اپیل کی ہے کہ وہ اسرائیلی حکام کے ان اقدامات کی نوٹس لے، جن کے ذریعہ وہ مسلمانوں کے مذہبی مقامات کی توہین کرتے ہیں، اور ان کے جذبات کو بھڑکانے کی مسلسل کوشش میں مصروف ہیں۔

روس کی مساجد

سویت یونین کی اشتراکی حکومت کے دور میں روس میں دینی سرگرمیاں اور نشاطات شجر ممنوعہ تھیں، دینی ادارے ختم کر دیئے گئے اور مساجد مقفل کر دی گئیں تھیں، مگر سوویت یونین کے بکھرنے کے بعد الحمد للہ وہاں مساجد کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے، اس وقت روس میں چھ ہزار مساجد قائم ہیں، جن میں سے کچھ نو تعمیر شدہ ہیں، اور کچھ قدیم ہیں جن کو مرمت کے بعد قابل استعمال بنالیا گیا ہے۔

شیخ الازہر ڈاکٹر سید محمد سعید طنطاوی کا سانحہ ارتحال

یہ خبر پورے عالم اسلام کے لئے باعث رنج و غم ہوگی کہ ۱۱ مارچ ۲۰۱۰ء کو مصر کی معروف عالمی اسلامی یونیورسٹی کے سربراہ عزت مآب ڈاکٹر سید محمد سعید طنطاوی کا انتقال ہو گیا، وہ ۸۱ برس کے تھے، ان کی وفات سعودی عرب میں دل کا دورہ پڑنے سے ہوئی، جہاں پر موصوف اسلامی دنیا کا سب سے عظیم اعزاز شاہ فیصل ایوارڈ حاصل کرنے گئے تھے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ نماز جنازہ مسجد نبوی میں پڑھی گئی اور تدفین جنت البقیع میں ہوئی۔

ڈاکٹر سید محمد سعید طنطاوی ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۸ء کو مصر کے ایک گاؤں ”سلیم الشرقیہ“ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اسکندریہ میں حاصل کی، اور ۱۹۶۶ء میں انہیں حدیث اور قرآن کی تفسیر پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے نوازا گیا، ۱۹۸۶ء میں آپ کو مصر کا مفتی اعظم مقرر کیا گیا، تقریباً دس برسوں تک آپ نے اس ذمہ داری کو بخوبی نبھایا، پھر ۱۹۹۶ء میں جامعہ ازہر سے وابستہ ہو گئے، سعودی عرب سے دکتور سید محمد سعید طنطاوی کا تعلق ۱۹۸۰ء میں قائم ہوا، جب انہوں نے مدینہ یونیورسٹی میں صدر شعبہ تفسیر کے طور پر اپنی خدمات پیش کیں۔ ☆

غزل

نئی مبارکپوری

ستم رسیدہ زمانے کا اب بھلا کر دے
”مرا شعور نئی نسل کو عطا کر دے“
تمام قصہ حسن و وفا نہ ہو جائے
جفا شعار کو انجام آشنا کر دے
یہ رنگ و نور یہ نکھت یہ چہچہے یہ فضا
بڑا ہے کام جو گلشن میں ایک جا کر دے
ملے گی خواب کو تعبیر یہ ضمانت ہے
مگر ہے شرط خرد کو جنوں نما کر دے
چلو کریں گے کہیں اور آشیاں تعمیر
کہیں یہ برق وہی شاخ نہ فنا کر دے
وفا کی رسم نبھانی اگر ہے تجھ کو سچی
تو ایک سجدے کا اعلان برملا کر دے

☆☆☆

باب الفتاویٰ

مولانا نور الہدیٰ عین الحق سلفی مال دہی

دارالافتاء، جامعہ سلفیہ، بنارس

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:
مسلمانوں میں سے بھی بہت سے حضرات لوہے کی انگوٹھی پہنتے ہیں، شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟ قرآن و سنت سے جواب
دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون اللہ الوہاب ومنہ الصدق والصواب:

صورت مسئلہ میں واضح ہو کہ سونا یا خالص لوہے کی انگوٹھی پہننا از روئے شرع درست نہیں ہے، اس لئے کہ آپ ﷺ نے
لوہے کی انگوٹھی کو جہنمیوں کا زیور قرار دیا ہے، مشہور صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ:

” أن رجلا أتى النبي ﷺ وفي يده خاتم من ذهب فأعرض النبي ﷺ عنه فلما رأى الرجل كراهيته ذهب فألقى الخاتم وأخذ خاتما من حديد فلبسه وأتى النبي ﷺ قال: هذا شر هذا حلية أهل النار فرجع فطرحة ولبس خاتما من ورق فسكت عنه النبي ﷺ “. (مسند احمد: ۲/۱۲۳، الألب المفرد: ۱۰۲۱) یعنی
ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا، اس کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی تھی، نبی کریم ﷺ نے اس سے منہ موڑ لیا، جب اس شخص نے
نبی ﷺ کی ناراضگی (یا ناپسندیدگی) دیکھی تو سونے کی انگوٹھی اتار دی اور لوہے کی انگوٹھی لے کر پہن لی، اور دوبارہ نبی ﷺ کے پاس آیا
تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ تو اور بدترین ہے، یہ جہنمیوں کا زیور ہے“ وہ پلٹ گیا اور اسے اتار کر پھینک دیا اور چاندی کی انگوٹھی پہن لی،
اس پر رسول اللہ ﷺ نے خاموشی اختیار کر لی۔

محمدت عصر حضرت العلام جناب محمد ناصر الدین البانیؒ نے اس حدیث کی سند کو جید قرار دیا ہے اور اس کے مزید شواہد بھی نقل
کئے ہیں۔ (آداب الزفاف ص ۲۱۷، غایۃ المرام: ۶۸)

اسی طرح ایک دوسری حدیث حضرت بریدہؓ سے مروی ہے:

” أن رجلا جاء إلى النبي ﷺ وعليه خاتم من شبه فقال له مالي أجد منك ریح الأصنام؟ فطرحة
ثم جاء وعليه خاتم من حديد فقال مالي أرى عليك حلية أهل النار؟ فطرحة فقال يا رسول الله! من أي
شيء اتخذه؟ قال اتخذه من ورق ولا تتمه مثقالا “. (نسائی، کتاب الزینۃ: ۵۱۹۸، أبوداؤد، کتاب الخاتم، ج: ۲۲۳،
ترمذی، کتاب اللباس، ج: ۱۷۸۵)

اس حدیث کا بھی تقریباً وہی مفہوم ہے جو اوپر والی حدیث کا ہے، یہ حدیث حسن درجہ سے کم نہیں ہے۔ (نیل المقصود: ۴۲۳۳)
ان احادیث سے معلوم ہوا کہ لوہے کی انگوٹھی پہننا حرام ہے، ہاں اگر انگوٹھی خالص چاندی کی یا لوہے کی ہو مگر اس پر چاندی کی

ملاوٹ کر کے ملمع سازی (پاش) کر دی گئی ہو تو اس کا پہننا جائز و درست ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی انگوٹھی لوہے سے بنی ہوئی تھی اور اس پر چاندی کی ملمع سازی کی گئی تھی، جیسا کہ حضرت معقوب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

”کان خاتم النبی ﷺ من حديد ملوی علیہ فضة فقال وربما کان فی یدی فکان معقوب علی خاتم رسول اللہ ﷺ۔“ (نسائی: ۵۲۲۰، ابوداؤد ج: ۴۲۲۴، بیہقی فی شعب الایمان: ۶۳۵۲) یعنی رسول اللہ ﷺ کی انگوٹھی لوہے کی بنی ہوئی تھی اور اس پر چاندی کی ملمع سازی کی گئی تھی، وہ بعض اوقات میرے ہاتھ میں ہوتی، حضرت معقوب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ان دونوں احادیث کو جمع کرنے سے معلوم ہوا کہ محض لوہے کی انگوٹھی پہننا حرام ہے، البتہ اگر اس پر چاندی لگی ہوئی ہو تو پھر جائز ہے۔

علاوہ ازیں صحیح البخاری کی جس روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ: ”التمس ولو خاتما من حديد“ یعنی تلاش کرو اگر چہ لوہے کی ایک انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے متعلق شارح بخاری حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ:

”استدل به علی جواز لبس خاتم الحديد ولا حجة فيه لأنه لا يلزم من جواز الاتخاذ جواز اللبس فيحتمل أنه أراد وجوده لينتفع المرأة بقيمته“ (فتح الباری: ۳۲۳/۱۰) یعنی اس حدیث سے لوہے کی انگوٹھی پہننے پر استدلال کیا گیا ہے، حالانکہ اس میں اس کے جواز پر کوئی دلیل نہیں، اس لئے کہ انگوٹھی لانا، انگوٹھی پہننے کو لازم نہیں، اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ آپ ﷺ نے انگوٹھی کے وجود کا ارادہ کیا ہوتا کہ عورت اس کی قیمت سے نفع حاصل کرے۔

لہذا معلوم ہوا کہ یہ حدیث محض لوہے کی انگوٹھی پہننے پر نص قطعی نہیں ہے، اگر اس سے لوہے کی وہ انگوٹھی مراد لی جائے جو چاندی سے ملمع ہو تو پھر کوئی حرج نہیں، اگر ایسا نہیں ہے (ملمع نہ ہو) صرف خالص لوہے کی انگوٹھی ہو تو حرام ہے جیسا کہ اوپر احادیث ذکر کر دی گئی ہیں۔

بعض ائمہ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ مذکورہ حدیث بخاری میں اگر اباحت ہے تو دیگر احادیث میں تحریم ہے اور جب مباح و تحریم کا باہم تعارض ہو جائے تو حکم تحریم کا لگایا جاتا ہے۔ (دیکھئے: آداب الزفاف ص ۲۱۹)

جناب اسحاق بن منصور المروزی نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا: ”الخاتم من ذهب أو حديد يكره؟ فقال أي والله“ یعنی کیا سونے یا لوہے کی انگوٹھی مکروہ ہے؟ تو انہوں نے کہا: ہاں: اللہ کی قسم۔ (مسائل المروزی: ۲۲۴، بحوالہ آداب الزفاف ص ۲۱۹)

اور یہ بات اصول کی کتابوں میں مذکور ہے کہ جب مطلق مکروہ کا لفظ بولا جاتا ہے تو مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے، یہی بات عمر بن الخطابؓ، امام مالکؒ، امام اسحاق بن راہویہؒ وغیرہم سے بھی مروی ہے۔ (غایۃ المرام ص ۶۹)